ملک نیپال میں سواد اعظم مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

سہ ماہی سنی پیغام نیپال

July to Sept-2018

خصوصی شمارہ

نیپال مسلم مسائل

محمد عطاء النبی حسینی مصباحی

فروغ رضویات اور علماے نیپال

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جشن صد سالہ کے پر بہار موقع پر سہ ماہی ''سنی پیغام، نیپال'' کی جانب سے ''فروغ رضویات اور علماے نیپال'' کے عنوان سے تحریری گلدستہ بارگاہ اعلیٰ حضرت میں نچھاور کرنے کے لیے پیش رفت کی جارہی ہے۔ جس کے عناوین درج ذیل ہیں:

۱- تعارف خانوادۂ اعلیٰ حضرت

- اعلیٰ حضرت کی مختصر حالات زندگی
- استاذ زمن کی مختصر حالات زندگی
- حجۃ الاسلام کی مختصر حالات زندگی
- مفتی اعظم ہند کی مختصر حالات زندگی

۲- فروغ رضویات میں ضلعی طور پر علماے اہل سنت کا کردار

- فروغ رضویات میں علماے اہل سنت دھنوشہ کا کردار
- فروغ رضویات میں علماے اہل سنت مہوتری کا کردار
- فروغ رضویات میں علماے اہل سنت سرلاہی کا کردار
- فروغ رضویات میں علماے اہل سنت سرہا کا کردار

۳- فروغ رضویات مختلف ذرائع سے

- فروغ رضویات بذریعہ تصنیف وتالیف
- فروغ رضویات بذریعہ ردو مناظرہ
- فروغ رضویات بذریعہ درس وتدریس
- فروغ رضویات بذریعہ قیام مدارس ومساجد اور تنظیمات
- فروغ رضویات بذریعہ اجلاس وکانفرنسز
- فروغ رضویات بذریعہ شعر وشاعری

۴- فروغ رضویات میں اسلاف کے کردار

- فروغ رضویات اور زاہد ملت علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور حنیف ملت علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور پاسبان ملت علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور محدث اعظم نیپال علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور حضرت ساجد ملت علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور حمید ملت علیہ الرحمہ
- فروغ رضویات اور مصنف تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ

۵- متفرقات

- بریلی شریف سے علماے نیپال کے روابط اور تعلقات
- مسلک اعلیٰ حضرت کی توضیح وتشریح

۶- تحریری مباحثہ

- مسلک اعلیٰ حضرت اور رضویات کے فروغ کے لیے تدابیر ولائحۂ عمل اور اس راہ کی رکاوٹیں اور ان کا سدباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیض روحانی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زیر سرپرستی: مفتی اعظم نیپال فخر نیپال حضرت مفتی محمد اسرائیل رضوی مدظلہ العالی | زیر نگرانی: قاضی القضاۃ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد عثمان رضوی مدظلہ العالی

ملک نیپال میں سواد اعظم مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

سہ ماہی سنی پیغام نیپال

شوال تا ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ — جلد ۱ — شمارہ ۴ — July to Sept 2018

نگرانِ مجلس مشاورت

مناظر اہل سنت فقیہ ملت شیر اعلیٰ حضرت مفتی عبد المنان کلیمی مدظلہ العالی

شرف انتساب

- سراج السالکین ابو الحسین احمد نوری مارہروی
- اعلیٰ حضرت علی حسین اشرفی کچھوچھوی
- تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی
- مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان، بریلی شریف
- سید الاولیا حضرت مسکین شاہ کشمیری، کاٹھمانڈو
- امام الاولیا حضرت غیاث الدین کشمیری، کاٹھمانڈو
- زبدۃ الاتقیا حضرت گدا علی شاہ، روضہ گڑھی
- زبدۃ الاصفیا حضرت رحم علی شاہ، روضہ گڑھی
- زبدۃ السالکین حضرت بہار علی شاہ، روضہ گڑھی
- قطب نیپال علامہ حافظ زاہد حسین مجیبی، علی پٹی
- حنیف ملت حضرت علامہ حنیف القادری، کٹیا
- پاسبانِ ملت علامہ محمد یوسف قادری، بیلا جنک پور
- محدثِ اعظم نیپال مفتی محمد کلیم الدین، رحمان پور مہدیا رحمہم اللہ

مجلس مشاورت

- پروفیسر سید طلحہ رضوی برق، پٹنہ
- مولانا مبارک حسین مصباحی، مبارک پور
- مولانا محمد اسمٰعیل حسینی (چترویدی) کولکاتا
- مفتی عبد العزیز مصباحی، بیلا
- مفتی حبیب اللہ جامعہ حبیبیہ، بیلا
- مولانا شمس الدین، بیلا
- مولانا مستقیم مصباحی، جنک پور
- مولانا داؤد حسین مصباحی، بھرپورہ
- مولانا علیم الدین جامعہ عائشہ، بیلا،
- مولانا سعادت حسین اشرفی، علی پٹی
- مولانا یوسف القادری، نوسہ بیگھہ

مجلس مشاورت

- مولانا اسلم القادری، جنک پور
- مولانا الیاس برکاتی، برداہا
- مولانا شفیق اللہ امجدی چترویدی، برداہا
- مولانا عباس نوری، دنولی
- مولانا شمس الحق فیضی، مہدیا
- مولانا عبد الرحمٰن، رجول
- مولانا رحمت اللہ، بھگوتی پور
- مولانا عبد القادر، پڑریا
- مولانا اکبر شاہی، بندھی
- مفتی محمد تبارک حسین، ہنومان نگر
- حافظ اصغر علی ازہری، گورکھا، نیپال

مجلس ادارت

- مفتی محمد محبوب رضا مصباحی، بھیونڈی
- مفتی نور محمد جگرؔ مصباحی، میرٹھ
- مولانا طفیل احمد مصباحی، مبارک پور
- مفتی توفیق احسن برکاتی، مبارک پور
- مولانا محمد اظہار النبی حسینی، مبارک پور
- مفتی محمد مجاہد رضا امجدی، برداہا
- مفتی محمد مبارک امجدی، علی پٹی

مدیر اعلیٰ

محمد عطاء النبی حسینی مصباحی

مدیر

مولانا عبد الرحیم ثمرؔ مصباحی

تفصیلات ممبرشپ

قیمت فی شمارہ 50

سالانہ 200

ہندوستان، پاکستان، سری لنکا، بنگلہ دیش سالانہ 200

دیگر ممالک سالانہ 20 امریکی ڈالر

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

سہ ماہی **سنی پیغام**
نزد جامعہ حنفیہ برکاتیہ، جانکی نگرے،
جنک پور دھام، نیپال

THE SUNNI PAIGHAM
Nizd Jamia Hanafia Barkatia,
Janki Nagar, Janakpur Dham, Nepal
sunnipaigham@gmail.com

''آل نیپال سنی جمعیۃ العلما'' اور ''فخر ملت فاؤنڈیشن'' نے اس رسالے کی طباعت کرواکر دفتر ''سہ ماہی سنی پیغام'' سے شائع کیا۔

نوٹ: مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ سہ ماہی ''سنی پیغام'' کا اتفاق ضروری نہیں لیکن مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف کوئی مضمون قابل قبول نہیں اگر کبھی عدم توجہی کی وجہ سے شائع ہو جائے تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔

مشمولات

خصوصی شمارہ

"نیپال مسلم مسائل"

اس رسالہ کے تمام شمارے درج ذیل بلاگ سے ڈاؤنلوڈ کیے جاسکتے ہیں:

ataunnabi.blogspot.com

قلم کی طاقت وقوت ہر دور میں مسلم رہی ہے، اس قوت سے دینی، ملی، مذہبی، اصلاحی، سماجی اور رفاہی انقلاب بھی لایا جاتا ہے اور کسی قسم کے فتنہ وفساد کو وجود میں لایا یا جگایا جاتا ہے۔ قلم کی اسی طاقت وقوت کے پیش نظر دین وملت اور مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت، عقائد واعمال اور سماج ومعاشرہ کی صلاح وفلاح اور بد مذہب وبددین کی دسیسہ کاریوں کا مقابلہ اور تقدیس الوہیت وناموس رسالت پر حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے حضور فخر نیپال مفتی محمد اسرائیل رضوی صاحب قبلہ اور قاضی نیپال مفتی محمد عثمان رضوی صاحب قبلہ کے زیر سایہ ۱۴۳۹ھ کے اوائل اور ۲۰۱۷ء کے نصف میں سواد اعظم مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان کی سرخی کے ساتھ ایک رسالہ ''سہ ماہی سنی پیغام'' کا اجرا عمل میں آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ رسالہ اپنی عمر کے پہلے سال کی تکمیل کی دہلیز پر آگیا۔ جی ہاں! یہ چوتھا شمارہ جو آپ کے مطالعہ کی میز پر ہے اس چوتھے شمارے کے ذریعے سہ ماہی سنی پیغام اپنی اشاعت کا ایک سال مکمل کر رہا ہے۔

ہماری ادارتی ٹیم نے اپنی کم علمی، کم مائگی، بے بضاعتی اور ناتجربہ کاری کے باوجود صرف اور صرف فضل خدا عزوجل و رسول مقبول ﷺ اور بزرگوں کی دعاوں کے بھروسے ''سہ ماہی سنی پیغام'' کا بار ناتواں کندھوں پر اٹھایا۔ اس درمیان ہمیں اور ہماری ادارتی ٹیم کو مشاہدات وتجربات بھی حاصل ہوئے اور اہل قلم، ارباب نظر، اصحاب علم وفضل اور علمائے کرام ومشائخ عظام کے گراں قدر اور حوصلہ افزا تاثرات بھی حاصل ہوئے جس سے ہماری ادارتی ٹیم کو نہ صرف ہمت وحوصلہ کی دولت نصیب ہوئی بلکہ مزید اس سہ ماہی کے سلسلہ کو آگے بڑھانے کے جذبات میں بھی اضافہ ہوا۔

اسی سلسلے کو مزید بڑھانے کے لیے جب ہمارے اصحاب قلم چوتھے شمارے کی تیاری میں مصروف عمل تھے کہ راقم اور دیگر احباب کے حاشیۂ خیال میں یہ منصوبہ وارد ہوا کہ اس چوتھے شمارے سے سہ ماہی اپنے سال کی تکمیل کر رہا ہے تو کیوں نہ اس مسرت وشادمانی کے موقع پر کسی خاص گوشے پر اہل قلم کے مضامین شامل شمارہ کیے جائیں تاکہ سہ ماہی سنی پیغام کے سال کی تکمیل یادگار بھی بن جائے اور اہل علم حضرات کی توجہ خاص اور دل چسپی کا سامان بھی ہو جائے۔

اس طرح سہ ماہی سنی پیغام ''نیپال مسلم مسائل'' کے نام سے ایک خصوصی شمارہ اپنے باذوق قارئین کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہے۔ اس خصوصی شمارے میں نیپال اور مسلمانان نیپال سے متعلق کل پانچ قیمتی مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون راقم کا ہے جس میں راقم نے نیپال کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے اور پھر وہاں نماز جمعہ کے حکم پر ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔ اپنی اس کوشش پر ہم اپنے مفتیان کرام کے تنقیدی اور تحقیقی آرا کے منتظر رہیں گے۔ دوسرا مضمون نائب ایڈیٹر مولانا ثمر مصباحی صاحب کا ہے جس میں نیپال کی مسلم آبادی پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرا مضمون مفتی محمد رضا مصباحی صاحب، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا ''نیپال اور نیپالی مسلمانوں کو درپیش چیلنجز'' کے عنوان سے ہے، موصوف نے اپنے مضمون میں نیپال اور نیپالی مسلمانوں کی مختلف شعبہائے حیات میں پسماندگی، اس کے اسباب اور علاج کے حوالے سے اپنی

فکر پیش کی ہے، جسے تمام مسلمانان نیپال کو سنجیدگی سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ چوتھا مضمون مولانا اظہار النبی حسینی ابوالعلائی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے قلم بند کیا ہے، موصوف نے مدارس کے نصاب و نظام کے حوالے سے چشم کشا باتیں تحریر کی ہیں، اس تحریر سے ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات ناگواری کا اظہار کریں گے مگر ان سے عرض ہے کہ اپنی ناگواری کو سنجیدگی سے بدل کر کمیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائیں۔ آخری مضمون میں موجودہ جلسوں کا المیہ اور درد دل لے کر مولانا محمد حسین مصباحی صاحب پہلی بار شریک بزم ہوئے ہیں، مضمون عمدہ اور فکر انگیز ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ موصوف آئندہ بھی اپنی نگارشات سے نوازتے رہیں گے۔

لیکن اس خصوصی شمارے کی اشاعت پر جہاں خوشی ہو رہی ہے وہیں یہ افسوس بھی ہو رہا ہے کہ اس شمارے میں کئی مستقل کالمز خصوصا بزرگوں کی تحریر سے مزین ہونے اور قارئین کو مستفید کرنے والے کالم "پیغام قرآن"، "پیغام حدیث" اور "پیغام فقہ و فتاوی" سے یہ شمارہ اور ہم قارئین محروم رہیں گے۔ ☆☆☆

(ص:۱۷...کا بقیہ)

کوئی مستقل کوٹہ مختص نہیں کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی آبادی پہاڑی اور ہمالیائی علاقوں میں ہونے کے باوجود انہیں مدھیشی طبقہ کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ اس کے دو نتائج ہوں گے پہاڑی علاقے میں رہنے والے مسلم، مدھیشی زمرے میں ہونے کے باعث پہاڑیوں کے لیے مخصوص مراعات سے محروم ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ترائی خطے میں بسنے والے مدھیشیوں کی اکثریت ہندو ہے۔ اس لیے یہاں بھی مدھیشی کو ملنے والی مخصوص مراعات اور اعلیٰ عہدوں سے مسلم مدھیشیوں کو دور رکھے جانے کے بھرپور امکانات ہیں۔ نیپالی مسلمان اگر وقت رہتے بیدار نہیں ہوئے اور اپنے حق کے لیے آواز بلند نہیں کریں گے تو مسلمانوں کی آنے والی نسلیں نیپال کی دیگر اقوام سے پسماندہ تر ہوتی جائیں گی۔ اس لیے ابھی وقت ہے کہ مسلمان بیدار ہوں اور جس طرح ممکن ہو حکومت وقت تک اپنی بات پہنچائیں تا کہ آئین میں ترمیم کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق پر مبنی شقوں کا اضافہ کیا جائے۔

نیپال میں سیکولر اور جمہوری حکومت قائم ضرور ہو گئی ہے لیکن فرقہ پرست عناصر اکثر سر ابھارتے رہتے ہیں اس لیے بعید نہیں کہ ایسے عناصر کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور چلی جائے تو وہ مسلمانوں کو مزید حاشیے پر ڈھکیلنے کی کوشش کریں گے۔ حال ہی میں یہ خبر سننے کو ملی ہے کہ نیپالی حکومت نے عید او بقر عید کی چھٹیوں کو مسلم کے لیے مخصوص کیا ہے۔ یعنی پورے ملک میں چھٹیاں نہیں ہوں گی۔ جب کہ ہندوؤں کے تیوہار میں ہفتوں تک سرکاری چھٹی پورے ملک میں ہوگی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ جب ہندوؤں کے لیے پورے ملک میں چھٹی ہے تو مسلمانوں کے تیوہار کی چھٹیاں مسلمانوں کے لیے مخصوص کرنا ان کو الگ تھلگ کرنے کے مترادف ہے۔ جب کہ مسلمان بھی نیپال کے شہری ہیں جیسے ہندو ہیں۔

نیپالی مسلم کمیشن کو ایک جامع رپورٹ تیار کر کے مستحکم بنیادوں پر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آئین میں ترمیم کی سفارشات پیش کرنی چاہیے اگر حکومت اسے منظور کرتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ نیپال کے مسلم عوام کو اپنے حق کے مطالبات کے لیے پر امن طریقے سے احتجاجات کے ذریعے آواز بلند کرنی چاہیے۔ دنیا کی جمہوری مملکتوں میں شہریوں کو اپنے جائز مطالبات کے حصول کے لیے یہی راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے مسلمانوں کو بیدار ہو جانا چاہیے۔

نوٹ: اس مضمون کو تیار کرنے میں اقوام متحدہ اور نیپال مسلم کمیشن کی رپورٹس سے مدد لی گئی ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ کسی بھی ملک کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے کا مسئلہ شرعی اور فقہی بعد میں ہے، تاریخی پہلے ہے؛ کیوں کہ ''شہر کے اسلامی ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ یا توفی الحال اُس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار۔۔۔کسی سلطنت کفر کی تابع۔۔۔اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں: ایک یہ کہ پہلے اُس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثل جمعہ و جماعت واذان و قامت وغیرہا کلاًّ یا بعضا برابر اُس میں اب تک جاری رہی ہوں''۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۸، مسئلہ:۱۳۲۸)

یعنی دار الاسلام وہ ہے جہاں اسلامی سلطنت ہو یا رہی ہو اور شعار اسلام اب تک جاری ہو اور ظاہر ہے کہ کسی ملک میں کون سی حکومت رہی، اس کا تعلق تاریخ سے ہے۔جب معاملہ ایسا ہے تو کسی بھی ملک کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے کا حکم دینے سے قبل اس ملک کی تاریخی کتب کا مطالعہ اور اس کی روشنی میں صدور حکم ضروری ہوگا ورنہ موقف میں نسبتاً نظر ثانی کی زیادہ گنجائش رہے گی۔اب چند تاریخی شواہد پیش کیے جاتے ہیں جن سے بخوبی واضح ہوجائے گا کہ ملک نیپال میں سلطنت اسلام رہی ہے یا نہیں۔

(۱) ईशाको एघारौं शताब्दीमा नैपालाको पूर्वी क्षेत्रमा कर्नाटवंशीय राजाको उद्रय भयो। त्यस्तै पश्चिममा खस राजय र नैपाल उपत्यकामा मुगल राज्य कायम भायो।

یعنی گیارہویں صدی عیسوی میں نیپال کے مشرقی علاقہ میں کرناٹ نسل کے بادشاہ کی آمد ہوئی۔اسی طرح خاص ریاست مشرق اور نیپال کی وادی میں مغل ریاست قائم ہوئی۔(اَدْھورُو مَدھیش یاتُرا، از مہاجن یادو، ص:۱۴۷)

(۲) हरिसिहंदेव तिरहुतका कर्णाटवंशी का सातौं तथा अन्तिम राजा हरिसिहं देव थिए। यिनको शासनकाल वि.सं.1379 मा दिल्लीका मुसलमान गयासुददीन तुगलकले सिम्रौनगढ़मा आक्रमण गरेर सो राज्य ध्वस्त पारकाथिय।

یعنی ہری سنگ دیو تِرہُت کے کرناٹ نسل میں ساتویں اور آخری بادشاہ تھے۔ان کی ریاست کو بکرمی سن ۱۳۷۹ میں دہلی کے مسلم حکمراں غیاث الدین تغلق نے سِمرون گڑھ پر حملہ کر کے ان کی ریاست کو نیست و نابود کیا تھا۔(اَدْھورُو مَدھیش یاتُرا از مہاجن یادو، ص:۱۴۹)

نیپالی صحافی رام ہِردے پرساد ''جنک پور دَرپَن'' میں لکھتے ہیں:

(۳) कर्णाट के पतन के बाद मुस्लिम शासन कायम हुआ था। करीब तीन सो बषां तक यवनों ने इस पर राज किया था। बर्बर तुगलकी सैनिकों ने तो गढ़सिमरोन को ध्वस्त कर ही डाला।सिमरवन ही वह समरोन गढ हे जहा कर्णाट वंशीय शासन था। यह भी प्रसिद्ध ऐतिहासिक स्थल हे जिसका नैपाल मे ही यादगार स्थान हे। जो तुगलकी मार की वजह सेअस्तित्वहीन होता चला गया था। (جنک پور درپن، ص:۳۳)

یعنی کرناٹ کے خاتمے کے بعد مسلم حکومت قائم ہوئی۔ قریب تین سو سال تک یونو نے اس پر حکومت کی۔ خونخوار تغلقی لشکروں نے تو گڑھ سمرَوْن کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ سمرَوْن ہی وہ سمرَوْن گڑھ ہے جہاں کرناٹ خاندان کی حکومت تھی۔ یہ بھی مشہور تاریخی جگہ ہے جس کا نیپال میں ہی یادگاری جگہ ہے۔ جو تغلقی حملے کی وجہ سے برباد ہوتا چلا گیا تھا۔

رام ہردے پرساد مزید لکھتے ہیں :

(۴) क़रीब दो सय पच्चीस वर्षा तक कर्णाट वंश ने तिरहुत पर राज्य किया। और बर्बर तुगलकी तलवार से बचने वे बाग्मती प्रदेश में प्रवेश कर गए। मुस्लिमों ने मिथिला पर दिल्ली से राज किया फिर दरभंगा को तिरहुत का सदर मुक़ाम तोक दिया। कुछ काल बाद इस भूखण्ड को उसनेजमीन्दार के हाथों बेच दिया। (جنک پور درپن، ص:۳۴)

یعنی تقریباً دو سو پچیس سال تک کرناٹ خاندان نے ترہُت پر حکومت کی پھر خونخوار تغلقی تلوار سے بچنے کے لیے باگمتی میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے میتھلا پر دہلی سے حکومت کی اور پھر دربھنگہ کو ترہُت کا صدر مقام قرار دیا لیکن کچھ سال بعد اس بھوکھنڈ کو اس نے زمین دار کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

(۵) ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ اپنی کتاب ”نگارشات“ میں تحریر فرماتے ہیں : ”پھر غوری اور اس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے علی گڑھ، قنوج، بدایوں، بنارس، بہار کو فتح کر کے نوزائیدہ دلی سلطنت میں شامل کر لیا، اس کے بعد ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں قطب الدین ایبک کے ایک فوجی افسر نے اودھ کا پورا علاقہ فتح کر کے دہلی سلطنت کے ماتحت کر لیا اور اس علاقہ سے راج بھر قوم کا اقتدار ختم ہو گیا، بنارس سے لے کر نیپال کی ترائی تک پورا علاقہ مسلم سلطنت کے زیر نگیں آ گیا، اس علاقہ میں بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا، پھر عرب وایران کے مسلم خانوادے بھی یہاں آ کر آباد ہونے لگے“۔ (نگارشات از ڈاکٹر عاصم اعظمی، ص :۴۶۵)

(۶) ”ہند کے گزشتہ شاہانِ اسلام“ کے حصہ چہارم میں مرتب عبد الرحمٰن دہلوی ہندی تغلقی سفیر کی حیثیت سے خاقان چین کے پاس شاہِ دہلی سلطان محمد تغلق کا پیغام رسانی کرنے والے مشہور سیاح عالم محمد بن عبد اللہ لواتی معروف بہ ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی روداد بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

”خاقان چین نے سلطان کے پاس یہ تحائف بھیجے تھے۔ (۱) ایک سو غلام (۲) پچاس لونڈیاں (۳) پانچ سو لباس المکنجہ (۴) پانچ سو من مشک (۵) پانچ لباس جواہر نگار (۶) پانچ ترکش زرین (۷) پانچ تلواریں مرصع کار، اور یہ درخواست کی کوہ قراہما لیا میں ہمارا بت خانہ تھا، جو آپ کے ایما سے مسمار کیا گیا ہے، مہربانی کر کے اجازت دیجیے کہ ہم دوبارہ اس کو بنالیں۔ ہندو ہمالیہ کی چوٹی پر رہتے تھے، وہاں جانا بہت مشکل تھا، میدان سے وہاں تک پہنچنے میں تین مہینے صرف ہوتے تھے، بہت سے ہندو راجہ اس میں راج کرتے تھے، اس ملک کی حدود تبت سے ملی ہوئی ہے جہاں غزالان مشکی پیدا ہوتے ہیں، ان پہاڑوں میں سونے کی کانیں بھی ہیں، اور ایک قسم کی زہریلی گھاس پیدا ہوتی ہے، جب بارش ہوتی ہے، اور اس کا پانی بہت ہے، تو اس زہریلی گھاس کا اثر اس میں سرایت کر جاتا ہے، جو آدمی اس پانی کو پیتا ہے فوراً مر جاتا ہے، جب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا تو انہوں نے یہاں کے بت خانہ کو جو دامن کوہ میں تھا مسمار کر دیا، پہاڑی ہندو مسلمانوں سے میدانوں میں لڑ نہیں سکتے تھے پہاڑیوں کو اپنی کھیتی کے لیے میدانوں کی ضرورت تھی اس لیے خاقان چین نے سلطان سے درخواست کی کہ وہ میدان ہم کو دے دیا جائے اور ہم کو از سر نو بت خانہ بنانے کی اجازت مرحمت ہو، اہل چین اس بت خانہ کے علاوہ جاترا کے لیے کمہل میں بھی آتے تھے، بادشاہ نے خاقان چین کو یہ جواب لکھا: ”جب تک جزیہ نہ دیا جائے میں مسلمانوں کی آبادی میں اور اپنی عملداری میں کلیسا اور بت خانہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، اگر خاقان یہ جزیہ دینا منظور کرے تو بت خانہ بننے کی اجازت ہو سکتی ہے“۔ (ہند کے گزشتہ شاہانِ اسلام حصہ: چہارم، ص :۱۱۸-۱۱۹)

مذکورہ شہادت کے حصول کے بعد اس کے اصل ماخذ تک رسائی کی کوشش کی تاکہ صحیح واقعہ اور روداد سے واقفیت حاصل ہو لیکن تلاش

بسیار کے بعد بھی کامیابی نہیں ملی۔ خدا خیر کرے مفتی محمد رضا قادری مصباحی صاحب کا جنھوں نے نیپال کی سیاسی اور اسلامی تاریخ پر نہایت تحقیقی کتاب ''نیپال میں اسلام کی تاریخ''، لکھی جس میں راقم کو اس کا اصل حوالہ مل گیا اور وہ اصل ماخذ یہ ہے:

''وكان ملك الصين قد بعث إلى السلطان مائة مملوك وجارية وخمسمائة ثوب من الكمخا، منها مائة من التي تصنع بمدينة الزيتون، ومائة من التي تصنع بمدينة الخنسا، وخمسة أمنان من المسك، وخمسة أثواب مرصعة بالجوهر، ومثلها من التراكش مزركشة، ومثلها سيوف. وطلب من السلطان يأذن له في بناء بيت الأصنام بناحية جبل قراجيل المتقدم ذكره، ويعرف الموضع الذي هو به بسمهل " بفتح السين المهمل وسكون الميم وفتح الهاء. وإليه يحج أهل الصين. وتغلب عليه جيش الإسلام بالهند فخربوه وسلبوه. ولما وصلت هذه الهدية إلى السلطان كتب إليه بأن هذا المطلب لا يجوز في ملة الإسلام إسعافه، ولا يباح بناء كنيسة بأرض المسلمين إلا لمن يعطي الجزية. فإن رضيت بإعطائها أبحنا لك بناءه والسلام على من اتبع الهدى. (رحلة ابن بطوطة المسماة تحفة النظار في غرائب الأمصار، شرح طلال الحرب، ص:٥٤١-٥٤٢ فصل:٨.رجوع السلطان و إرسال ابن بطوطة للصين. دار الكتب العلمية، بيروت. ٢٠٠٢م-)

مذکورہ اقتباس میں یہ جملہ '' وطلب من السلطان يأذن له في بناء بيت الأصنام بناحية جبل قراجيل المتقدم ذكره''، اصحابِ فکر و نظر کو دعوت فکر دے رہا ہے۔ کیوں کہ کوئی بادشاہ کسی دوسرے بادشاہ سے کسی ملک میں اسی وقت کسی کام کی انجام دہی کی اجازت طلب کرے گا جبکہ اس ملک میں اِس بادشاہ کی حکومت ہو ورنہ اگر اس کی حکومت نہ ہو بلکہ خود اس کی یا کسی اور کی حکومت ہو تو اس سے اجازت کی حاجت ہوگی نہ کہ اس سے جسے اس ملک کا زمامِ اقتدار ہی حاصل نہ ہو۔

مذکورہ سفر نامہ کے تعمیر بت خانہ والے جملے سے بھی ملک نیپال میں اسلامی سلطنت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ البتہ ایک گونہ شک و شبہ کی جو گنجائش رہ جاتی ہے وہ شاہِ دہلی کے جواب '' أن هذا المطلب لا يجوز في ملة الإسلام إسعافه، ولا يباح بناء كنيسة بأرض المسلمين إلا لمن يعطي الجزية. فإن رضيت بإعطائها أبحنا لك بناءه '' سے ہباءً منثوراً ہوجاتا ہے کیوں کہ سلطان تغلق خود کہہ رہے ہیں کہ سلطنت اسلام میں بت خانہ کے تعمیر کی بغیر جزیہ اجازت نہیں۔ جس سے واضح کہ سلطان تغلق نے ملک نیپال کو فتح بھی کیا اور اسے اسلامی سلطنت قرار دیا۔

(۷) سلطان محمد تغلق نہ صرف ملکِ نیپال کو اسلامی سلطنت کا حصہ سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے احکام اسلامی کے نفاذ و اجرا کے لیے قاضی و خطیب بھی روانہ کیے چناں چہ شہرۂ آفاق سیاح ابن بطوطہ جبل قراجیل (کوہ ہمالہ) پر شاہ محمد تغلق کی پیش قدمی، فتوحات اور دیگر باتوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

''وجبل قراجيل هذا جبل كبير، يتصل مسيرة ثلاثة أشهر. وبينه وبين دهلي مسيرة عشر، وسلطانه من أكبر السلاطين الكفار. وكان السلطان بعث ملك نكبية رأس الدويدارية إلى حرب هذا الجبل، ومعه ألف فارس، ورجاله سواهم كثير، فملك مدينة جديدة " وضبطها بكسر الجيم وسكون الدال المهمل وفتح الياء آخر الحروف ، وهي أسفل الجبل. وملك ما يليها، وسبى وخرب وأحرق، وفر الكفار إلأى أعلى الجبل. وتركوا بلادهم وأموالهم وخزائن ملكهم. وللجبل طريق واحد، وعن أسفل منه واد وفوقه الجبل، فلا يجوز فيه إلا فارس منفرد، وخلفه آخر، فصعدت عساكر المسلمين على ذلك الطريق، وتملكوا مدينة ورنكل التي بأعلى الجبل، وضبطها بفتح الواو والراء وسكون النون وفتح الكاف، واحتووا على ما فيها، وكتبوا إلى السلطان بالفتح، فبعث إليهم قاضياً وخطيباً، وأمرهم بالإقامة، فلما كان وقت نزول المطر، غلب المرض على العسكر وضعفوا

وماتت الخيل وانحلت القسي، فكتب الأمراء إلى السلطان، واستأذنوه في الخروج عن الجبل، والنزول إلى أسفله، بخلال ما ينصرم فصل نزول المطر فيعودون. فأذن لهم في ذلك. فأخذ الأمير نكبية الأموال التي استولى عليها من الخزائن والمعادن، وفرقها على الناس ليرفعوها ويوصلوها إلى أسفل الجبل. "(رحلة ابن بطوطة المسماة تحفة النظار في غرائب الأمصار، ص: ٤٩٧، و شرحه و كتب هوامشه طلال، ٢٠٠٢ء/١٤٢٣ء)

یعنی ہمالیہ کا پہاڑ ایک بڑا پہاڑ ہے جس کے حدود کی مسافت تین مہینے ہیں۔ (ساڑھے چار ہزار کیلو میٹر)ہمالیہ پہاڑ اور دہلی کے درمیان (پیدل) دس دن کی مسافت ہے۔ اس کا بادشاہ کفار کے بڑے سلاطین میں سے ہے۔ سلطان (محمد تغلق) نے دو یداریوں کے سردار ملک نکبیہ کو اس پہاڑ کے باشندوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کے ساتھ ایک لاکھ شہسوار اور بہت سے پیادہ پا لشکر تھے۔ ملک نکبیہ نے "جدیہ شہر" کو جو پہاڑ سے بہت نیچے تھا اور اس کے آس پاس کو قبضہ میں لے لیا۔ لوگوں کو قیدی بنایا، شہر کو ویران کر ڈالا اور آتش زنی کی۔ کفار اپنے شہر، اموال اور ملکی خزانوں کو چھوڑ کر پہاڑ کی اونچی چوٹیوں میں پناہ گزیں ہوے۔ پہاڑ پر جانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ اس سے زیریں حصہ میں وادی تھی اور اس کے اوپر پہاڑ اور راستہ اتنا تنگ تھا کہ صرف ایک سوار تنہا اس سے گذر سکتا تھا اور دوسرا اس کے بعد جا سکتا تھا۔ لشکر اسلام اسی درہ سے پہاڑ پر چڑھا اور پہاڑ کے اوپر واقع شہر "ورنکل" اور اس میں موجود تمام مال و اسباب کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور سلطان کو فتح کی خوش خبری کا خط لکھ روانہ کر دیا۔ سلطان نے ان کی طرف ایک قاضی اور ایک خطیب روانہ کیے اور ان سب کو وہاں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ جب بارش کا زمانہ قریب آگیا، فوج میں مرض کا غلبہ ہوا سپاہ کمزور پڑ گئے، گھوڑے مر گئے اور کمانیں نمی کے سبب بے کار ہوگئیں۔ تب امیروں نے سلطان کو خط لکھ کر پہاڑ سے نکلنے اور اس پہاڑ سے نیچے قیام کرنے کی اجازت طلب کی یہ کہتے ہوے کہ جب موسم باراں ختم ہو جائے گا تو وہ لوگ پہاڑ میں واپس آجائیں گے۔ بادشاہ نے انہیں اس کی اجازت مرحمت کر دی۔ امیر سپہ سالار نکبیہ نے ان تمام خزانوں اور کانوں کو جنھیں قبضہ میں لے لیا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیا تاکہ اسے لے کر پہاڑ کے نیچے پہونچائیں۔

چینی بادشاہ کی طرف سے سلطان محمد تغلق کی بارگاہ میں پیش کیے گئے تحائف کے ضمن میں شاہِ دہلی کا جواب کہ "ملک اسلام میں سوائے اس شخص کے جو جزیہ دے بت خانہ بنانے کی کسی کو اجازت نہیں۔ اگر بادشاہ چین جزیہ دینا منظور کر لے تو اجازت ہو سکتی ہے" سے اہل نظر پر پوشیدہ نہیں کہ سلطان محمد تغلق اس وقت ملک نیپال کو سلطنت اسلام کا حصہ سمجھتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ احکام اسلام کے اجرا کے لیے انہوں نے قاضی اور خطیب بھی بھیجے جس پر مذکورہ پیراگراف کا یہ حصہ" و كتبوا إلى السلطان بالفتح، فبعث إليهم قاضياً وخطيباً، وأمرهم بالإقامة "(سلطان نے ان کی طرف ایک قاضی اور ایک خطیب روانہ کیے اور ان سب کو وہاں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا) شاہد عدل ہے۔

(۸) ۲۰ویں صدی کے سب سے مستند نیپالی مورخ ڈاکٹر ریگمی لکھتے ہیں :

A coin traced in Nepal said to have been struck in the Name of Ala ud-din Muhammad shah khilji (?) has snpati etc. in the middle cricle (ob) and it is held by some historians that the Nepalese ruler of the time owed allegiance to the khilji ruler. (Mediaeval Nepal. Page : 312. Dr. Regmi. Pub.2007-first ed.1965)

نیپال میں ایک سکہ دریافت کیا گیا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ علاؤالدین محمد خلجی کے نام سے ڈھالا گیا تھا اس کے بیچ کے دائرہ میں (ob) کا نشان ہے۔ بعض مؤرخین کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت کے نیپالی حکمراں نے خلجی حکمراں کی اطاعت کا عہد کیا تھا۔

(۹) مؤرخ نیپال پٹک لکھتے ہیں :

The latter Country was a client of the

Delhi Saltanate, as shown by the above mentioned coin struck in Nepal with the Name of Ala ud-din Khalji; and this connection may have countributed to drow into the country the bengali army. (Mediaeval history of Nepal. L. Petech. Page:119 Pub.in India- First ed.1958)

نیپال، دہلی سلطنت کے ماتحت تھا جیساکہ نیپال میں موجود اس سکے سے ظاہر ہوتا ہے جو علاؤالدین خلجی کے نام کے ساتھ ڈھالا گیا تھا۔ اس تعلق نے بنگالی فوج کی نیپال میں مداخلت کی حوصلہ افزائی کی ہوگی۔

درج بالا دونوں اقتباس اس بات پر واضح دلیل ہے کہ نیپال پر اسلامی حکومت رہی ہے خواہ مستقل طور پر یا کسی اسلامی سلطنت کے تحت ہوکر۔ کیوں کہ کسی بھی ملک میں کسی بادشاہ کے نام کے سکے کا رائج ہونا اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس ملک میں اس بادشاہ کی سلطنت قائم ہوئی یا وہ ملک اس بادشاہ کے ماتحت رہا اور ملک نیپال میں سلطان علاؤالدین محمد خلجی کے نام کا سکہ رائج ہوا جس سے اظہر من الشمس ہے کہ ہندو راشٹر سے مشہور اس ملک میں بھی سلطنت اسلامی قائم ہوئی۔

مذکورہ تمام شواہدات (ان میں سے ۷ سے ۹ تک کے مفتی محمد رضا مصباحی صاحب کی کتاب سے ماخوذ ہے) کی روشنی میں اہل فکر و نظر اور ذی فہم و ذی شعور یہی کہیں گے کہ ملک نیپال یقیناً حکومت اسلامیہ کے زیر اثر رہا ہے اور واضح ہے کہ جو ملک اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو تو اس ملک کا وہی حکم ہے جو حکم اس اسلامی ملک کا ہے۔ چناں چہ مفتی اعظم ہالینڈ مفتی عبدالواجد نوری صاحب قبلہ ملک نیپال کے ترائی علاقہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

”موجودہ خطہ نیپال کی دو حیثیتیں ہیں : ایک وہ علاقہ جو ہندوستانی سرحد سے متّصل ہے جسے وہاں کے عرف میں ترائی یا مغلان بولتے ہیں، مغلان کا علاقہ وہ علاقہ ہے جو مغلیہ دورِ حکومت میں بادشاہِ اکبر اور حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے زیر حکومت یا زیر اثر رہ چکا ہے۔ جب اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ کے دور حکومت میں ہندوستان کے اندر احکام اسلامی کا نفاذ ہوا تو نیپال کا ترائی علاقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اس حیثیت سے جو حکمِ شرع خطہ ہندوستان کا ہوگا وہی ترائی نیپال کا بھی ہوگا اور در مختار ردالمحتار نے اس کی وضاحت کردی ہے کہ دار الاسلام اس وقت تک دار الحرب نہیں ہوگا جب تک کہ کفر کے احکام پوری طرح وہاں جاری نہ ہوجائیں اور اسلامی احکام کلیتہً روک نہ دیے جائیں اور اگر اسلام و کفر دونوں کے احکام جاری ہوں تو وہ دار الحرب نہیں ہوگا، بحمدہ تعالیٰ اس تعریف کی بنیاد پر ہندوستان اور نیپال کا ترائی علاقہ (مغلان) دار الاسلام ہے۔“

مفتی صاحب قبلہ کو ملک نیپال کے ترائی علاقہ کا سلطنت اسلامیہ کے ماتحت ہونے کی تحقیق ہوئی تو انہوں نے ترائی حصہ کے بارے میں حکم بیان فرمایا لیکن مذکورہ تمام ماخذات یہی بیان کر رہے ہیں کہ جس طرح ترائی نیپال اسلامی سلطنت کے ماتحت رہا ہے اسی طرح نیپال کا پہاڑی علاقہ بھی سلطنت اسلامیہ کے زیر اثر رہا ہے خصوصاً سلطان دہلی شاہ محمد تغلق کے ماتحت ہونے کے بعد سلطان محمد تغلق نے قاضِی و خطیب بھی ارکان اسلام و احکام اسلام کے نفاذ کے لیے بھیجا اور کیوں نہ ہو کہ شاہ محمد تغلق اقامت نماز اور احکام اسلام کے نفاذ میں بہت سخت واقع ہوئے تھے چناں چہ ”ہند کے گزشتہ شاہانِ اسلام“ میں مصنف کتاب عبد الرحمٰن دہلوی شاہ محمد تغلق کے اس پہلو کے حوالے سے رقم طراز ہیں :

”اقامت صلوۃ میں سلطان بڑا تشدد کرتا تھا، ملازموں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دے رکھا تھا، جو تارک الصلوۃ ہوتا اس کو سخت سزا دیتا، ایک دفعہ اس نے تین سو آدمیوں کو صرف تارک الصلوۃ ہونے کی وجہ سے مار ڈالا جن میں سے ایک ڈوم تھا، اس نے بازاروں میں ملازم متعیّن کر رکھے تھے، جو نماز کے وقت تارک الصلوۃ (نماز چھوڑنے والوں) کو سزا دیتے، اس نے حکم دے رکھا تھا کہ لوگوں کو بلا بلا کر فرائض نماز، وضو اور شرائط اسلام سکھلاؤ، یہ احکام شرعی کوچہ و برزن میں عوام الناس کو سکھلائے جاتے تھے، نماز کے سوا دوسرے احکام شرعی کی پابندی کے لیے بھی وہ تشدد کرتا تھا“

ظاہر ہے کہ جو بادشاہ احکام اسلام کے نفاذ میں اس قدر سخت ہو وہ اپنے زیر اثر ملک میں کیوں کر احکام شرعیہ کو نافذ کرنے میں پس و

پیش کرے گا اور ہوا بھی ایسا ہی جب خاقانِ چین نے شاہ محمد تغلق کے زیر نگیں علاقہ میں بت خانہ تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ " أن هذا المطلب لا يجوز في ملة الإسلام إسعافه، ولا يباح بناء كنيسة بأرض المسلمين إلا لمن يعطي الجزية. فإن رضيت بإعطائها أبحنا لك بناءه "یعنی ملک اسلام میں سوائے اس شخص کے جو جزیہ دے بت خانہ بنانے کی کسی کو اجازت نہیں ہو سکتی۔ اگر بادشاہ چین جزیہ دینا منظور کرلے تو اجازت ہو سکتی ہے۔

اب ذرا صاحبین کے قول کی روشنی میں بھی نیپال کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے پر ایک مختصر کلام ملاحظہ فرمائیں۔ قولِ صاحبین ہے:

لَا خِلَافَ بَيْنَ أَصْحَابِنَا فِي أَنَّ دَارَ الْكُفْرِ تَصِيرُ دَارَ إِسْلَامٍ بظهورِ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ فِيها. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،فَصْلٌ فِي بَيَان مَعْنَى الدارين دَارِ الْإِسْلَامِ وَدَارِ الْكُفْرِ،ج:۷،ص:۱۳۰)

صَارَتْ الدَّارُ دَارَ الْإِسْلَامِ بظهورِ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ فِيهَا مِنْ غَيْرِ شَرِيطةٍأُخْرىٰ(ایضاً،ص:۱۳۱)

وَدَارُ الْحَرْبِ تَصِيرُ دَارَ الْإِسْلَامِ بِإِجْرَاءِ أَحْكَامِ اَهلِ الْإِسْلَامِ فِيهَا كَجُمُعَة وَعِيدٍ (وَإِنْ بَقِيَ فِيهَا كَافِرٌ أَصْلِيٌّ وَإِنْ لَمْ تَتَّصِلْ بِدَارِ الْإِسْلَامِ(رد المحتار على الدر المختار ،بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ، ج:٤،ص:۱۷۵)

درج بالا تعریفات پر غور کیا جائے کہ صاحبین نے ان ممالک کو بھی دار الاسلام قرار دیا ہے جہاں احکام اسلام ظاہر ہو جائے یا جاری ہو جائے۔ مذکورہ تعریفات میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ان تعریفات میں "ظہور" کا لفظ آیا ہے نہ کہ "اظہار" کا۔ اور ظہور کا لفظ بتا رہا ہے کہ صرف احکام اسلام کے ظاہر ہونے سے ہی ملک، ملک اسلام قرار پائے گا اگرچہ احکام اسلام کا ظہور سلطان اسلام یا اس کے نائب کے ذریعہ ہو یا کسی اور کے ذریعہ، بر خلاف دار الاسلام کی جامع تعریف کے کیوں کہ " دار الاسلام ما يجرى فيه حكم امام المسلمين" یعنی دار الاسلام وہ ہے جس میں "امام المسلمین" کا حکم جاری ہو۔ اب صاحبین کی تعریف کی روشنی میں نیپال کے دار الاسلام ہونے کا مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کیوں کہ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ ملک نیپال میں احکام اسلام جاری ہیں ، اکثر مقامات پر جمعہ و جماعت قائم ہے اور مسلمان اپنے تمام دینی و مذہبی شعائر علی الاعلان بجالاتے ہیں اور حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوتی۔

مذکورہ باتوں سے واضح ہو گیا کہ دار الاسلام کی جامع تعریف کے مطابق بھی ملک نیپال دار الاسلام ہے اور رہ گئی بات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق تو عموم بلویٰ یا دفع فساد مظنون بظن غالب کے سبب (اس پر کلام آگے آرہا ہے) بدرجہ اولیٰ دار الاسلام ہے؛ کیوں کہ ان کے مذہب کے مطابق محض احکام اسلام کے جاری ہونے سے دار الحرب دار الاسلام بن جاتا ہے اور ملک نیپال میں مسلمان بے چوں و چراجمعہ ، عیدین ، اذان و اقامت اور نماز باجماعت علی الاعلان ادا کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور نہ حکومت کی طرف سے شعائر اسلام پر کوئی پابندی ہے۔

مذکورہ موقف ایجاد بندہ نہیں اور نہ تنہا راقم کا یہ موقف ہے بلکہ جامع فتاویٰ رضویہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور حضور بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی علیہما الرحمہ بھی اس تعریف کی روشنی میں نیپال کو دار الاسلام قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ بحر العلوم فرماتے ہیں:

"دار الاسلام ہونے کے لیے ایک شرط ہے کہ اس میں اسلامی احکام علی الاعلان جاری ہو سکتے ہوں۔ عالم گیری میں ہے :" اعلم ان دارالحرب تصير دار الاسلام بشرط واحد وهو اظهار حكم الاسلام فيها"۔ اور دار الحرب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں بالکلیہ احکام کفر جاری ہوں اور دار الاسلام کی کوئی بات وہاں جاری نہ ہو۔ سراج وہاج میں ہے:

"انما تصيردار الاسلام دارالحرب عندابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ بشروط ثلاثة، احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهار وان لايحكم فيها بحكم الاسلام"۔

اور نیپال میں بہت ساری جگہوں پر جمعہ و جماعت قائم ہے، مسلمان اپنے تمام مذہبی شعائر علی الاعلان بجالاتے ہیں، اس لیے ظاہر یہی ہے

کہ نیپال بھی دار الاسلام ہے"۔(فتاویٰ بحر العلوم، ج:۴، ص:۴۸۷)

ایک اشکال : البتہ قول صاحبین پر نیپال کو دار الاسلام قرار دیے جانے پر ایک اشکال ضرور سامنے آتا ہے کہ جس طرح صاحبین کے نزدیک احکام اسلام کے جاری ہونے سے ملک دار الاسلام ہوجاتا ہے اسی طرح احکام کفر کے جاری ہونے سے ملک دار الحرب بھی ہوجاتا ہے اور ملک نیپال میں جس طرح احکام اسلام جاری ہیں اسی طرح احکام کفر بھی ۔ تو اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ نیپال بیک وقت دار الاسلام بھی ہو اور دار الحرب بھی۔

جواب اشکال : تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر حدیث پاک "الاسلام یعلو و لا یعلیٰ "کے پیش نظر جہت اسلام کو ترجیح دی جائے گی اور اسے دار الاسلام قرار دیا جائے گا نہ کہ دار الحرب۔

اور فتاویٰ رضویہ میں در مختار کے حاشیہ طحطاوی سے منقول ہے:

"ھندیة وظاھرہ انه لواجریت احکام المسلمین واحکام اھل الشرک لاتکون دارحرب"۔(فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ج:۱۴، ص:۱۱۰)

یعنی ہندیہ میں یوں ہے کہ اس سے ظاہر ہے کہ اگر وہاں احکامِ شرک اور احکامِ اسلام دونوں نافذ ہوں تو دار الحرب نہ ہوگا۔

ایک اور اشکال : یہاں ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صاحبین کے قول کے مطابق دار الاسلام قرار پائے گا اور وہاں جمعہ و عیدین کی نماز قائم کرنا درست ہوگا لیکن قائم کون کرے گا ؟ کیوں کہ اقامتِ جمعہ و عیدین بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے اور قولِ صاحبین کے مطابق نیپال دار الاسلام تو ہو گیا لیکن بادشاہ اسلام یا اس کا نائب نہیں جو جمعہ و عیدین قائم کرے۔

اشکال کا جواب : تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں سلطان یا اس کا نائب نہیں وہاں اعلم و افقہ عالم دین اقامت جمعہ اور احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں سلطان اسلام کا قائم مقام ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں :" جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے کو ہے"۔(ایضًا، ج:۶، ص:۵۱۵)

کچھ سطر کے بعد مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں :

"ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلمَ علمائے بلد کہ اس شہر کے سنّی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو، نماز کے مثل مسلمانوں کے دینی کاموں میں ان کا امام عام ہو اور بحکم قرآن عظیم اُن پر اُس کی طرف رجوع اور اسکے ارشاد پر عمل فرض ہے، جمعہ و عیدین و کسوف کی امامت وہ خُود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے"۔(ایضًا، ص:۵۱۶)

بہار شریعت میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

" جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں جو سب سے بڑا فقیہ سُنی صحیح العقیدہ ہو، احکام شرعیہ جاری کرنے میں سُلطان اسلام کے قائم مقام ہے، لہٰذا وہی جمعہ قائم کرے بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوسکتا"۔(بہار شریعت مکتبۃ المدینہ، ج:۱، ص:۷۶۴)

اور حضور مفتی اعظم ہند مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں :

"جہاں سلطنتِ اسلامیہ نہیں وہاں اعلم و افقہ علما جو سنی صحیح العقیدہ ہو، قائم مقام سلطان ہے ،اس کے قائم کیے نماز جمعہ قائم ہو سکتا ہے، یا اس کے ماذون کے لیے یہ حق ہے ، مسلمانوں کو ایسے امور میں اسی کی طرف رجوع لازم ہے اور اپنے ایسے کام اسی کی طرف سپرد کرنا چاہیے، عوام ایک زمانہ سے خود سر و خود رائے ہو گئے ہیں۔ اللہ عزوجل انہیں توبہ کی توفیق دے اور اتباعِ شریعت اور اطاعتِ اولی الامر کی ہدایت فرمائے"۔(فتاویٰ مفتی اعظم ہند، ج:۳، ص:۱۱۷)

اب تک کی گفتگو سے اظہر من الشمس و ابین من الامس ہو گیا کہ ملک نیپال دار الاسلام ہے لیکن بر سبیل تنزل یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نیپال دار الحرب ہے تو پھر وہاں جمعہ کا کیا حکم ہے ؟۔ اس سلسلہ میں گفتگو کے آغاز سے قبل اس بات کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے کہ کتب فتاویٰ میں نیپال کو مفتیان کرام نے دار الحرب تسلیم کیا ہے یا نہیں ؟

اس سوال کے جواب کے لیے راقم نے اپنے پاس موجود برقی کتبِ فتاویٰ دیکھنا شروع کی لیکن ان میں سے صرف دو کتاب فتاویٰ شارح بخاری اور فتاویٰ بریلی میں نیپال کو دار الحرب قرار دیا گیا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں حضور شارح بخاری فرماتے ہیں :

"اس مسئلے میں مسلسل غور و خوض کر رہا ہوں ، یہ مسئلہ صرف نیپال ہی کا نہیں ،اب تو عالم گیر مسئلہ بن چکا ہے ، امریکہ ،برطانیہ وغیرہ کثیر ممالک کے لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں ؟

علماے احناف اس پر، متفق ہیں کہ دار الحرب میں جمعہ صحیح نہیں، جمعہ خاص ہے دار الاسلام کے ساتھ، وہ ممالک جہاں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکی وہ دار الحرب ہیں اگر چہ وہاں شعائر الاسلام کی ادائیگی کی مکمل آزادی ہو، اس تقدیر پر نیپال، برطانیہ، امریکہ وغیرہ دار الحرب ہیں"۔(فتاویٰ شارح بخاری، ج:۱، ص:۲۹)

فتاویٰ بریلی میں سوال ہوا کہ نیپال میں سود کھانا (یا سود لینا دینا) کیا جائز ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نیپال دار الحرب ہے اس لیے سود لینا دینا جائز ہے، صحیح کیا ہے؟ اس کا جواب ان الفاظ میں موجود ہے:

"مسلمانوں کا مسلمان یا ذمی کافروں سے سود لینا دینا حرام قطعی ہے کما قال اللہ تعالیٰ: واحل اللہ البیع و حرم الربا۔ دار الحرب میں صرف حربی سے سود لینا جائز ہے کما فی الہندیہ: لا رباء بین المسلم و الحربی فی الدار الحرب۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاویٰ بریلی، ص:۲۰۴)

ان کے علاوہ "مجلس شرعی کے فیصلے" میں بھی دار الحرب میں نیپال کو شمار کیا گیا ہے۔ چناں چہ مرقوم ہے:

"تیسری وہ حکومتیں جہاں سلطان اسلام کی حکمرانی کبھی نہ تھی، نہ اب ہے جیسے نیپال، روس، فرانس، برطانیہ، اسکالینڈ، جرمن، پرتگال، کینڈا اور امریکہ وغیرہ"۔(مجلس شرعی کے فیصلے، ص:۲۰۸)

اس میں کوئی شبہ نہیں کے نیپال کو دار الحرب ماننے والے مفتیانِ کرام نے اپنی تحقیق کی روشنی میں حق و صواب فیصلہ فرمایا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی نکلنا تھا کہ ملک نیپال میں نماز جمعہ و عیدین کا قیام جائز و درست نہیں کیوں کہ احناف کے نزدیک دار الحرب میں قیام جمعہ و عیدین جائز و درست نہیں بلکہ اس کے لیے دار الاسلام ضروری ہے اور نیپال دار الحرب ہے لہٰذا یہاں بھی جمعہ و عیدین درست نہیں۔ لیکن اس سے بھی کس کو انکار کہ اختلاف زمانہ سے احکام میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ اور نیپال اور اس جیسے ملک میں آج اہلِ اسلام کی خاصی تعداد موجود ہے اور وہاں جمعہ و عیدین بھی برابر پڑھتے چلے آئے، عوام و خواص سبھی شریک جماعت ہوتے رہے، حتیٰ کہ جو علما، مشائخ، واعظین، مبلغین باہر سے وہاں تشریف لے جاتے ہیں، اب حال یہ ہے کہ اگر وہاں کے مسلمانوں کو جمعہ و عیدین سے روکا جائے تو یا تو یہ بالکل بے اثر ہوگا یا اس کا منفی اثر یہ ہوگا کہ اہلِ سنت بدمذہبوں کی مساجد کی طرف رخ پھیر لیں گے۔ ان وجوہات کے پیش نظر الجامعۃ الاشرفیہ کا ایک اہم شعبہ "مجلس شرعی" کے تحت نیپال اور اس جیسے ممالک میں نماز جمعہ و عیدین کے حوالے سے فقہی نشست ہوئی جس میں باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ:

"یورپ و امریکہ وغیرہ کے بلاد میں جہاں عوام و خواص جمعہ و عیدین ادا کر رہے ہیں اور غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے انہیں اجازت بھی ہے، وہاں جمعہ و عیدین سے انہیں روکنا سخت مفاسد کا باعث ہوگا... اس لیے بالاتفاق دفعِ فساد مظنون بظن غالب کی خاطر اور اکثر مندوبین کے نزدیک بوجہِ عمومِ بلویٰ بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر عمل کرنے اور جمعہ و عیدین ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔ ساتھ ہی خواص کو ظہر ادا کرنے کا بھی حکم ہوگا"۔(ایضًا، ص:۲۱۰)

مجلس شرعی کے تحت "غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ و عیدین" کے تعلق سے ہونے والے سیمینار کے خلاصۂ مقالات میں لکھا ہے:

"پھر باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ غیر اسلامی ممالک میں اصلِ مذہب حنفی کے لحاظ سے جمعہ و عیدین ناجائز و باطل ہیں لیکن اس وقت ازالۂ فساد مظنون بظنِ غالب اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اپناتے ہوئے ان کی صحت و جواز کا حکم ہے۔ البتہ خواص ظہرِ احتیاطی بھی پڑھیں"۔(ماہنامہ اشرفیہ، ستمبر ۲۰۰۴، ص:۴۳)

مجلس شرعی میں بحث و مباحثہ کے بعد ہوئے فیصلے سے واضح ہے کہ اب غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمان جمعہ و عیدین ادا کر رہے ہیں اور حکومت غیر اسلامی کی طرف سے اجازت بھی ہے تو ایسے ممالک میں جمعہ و عیدین ازالۂ فساد مظنون بظن غالب اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے نماز جمعہ و عیدین جائز و درست ہیں۔ یقینًا دور حاضر کے جہاں دیدہ اور مسائل شرعیہ میں گہری نظر اور تفقہ فی الدین میں مہارت رکھنے والے مفتیانِ کرام اور علماے کرام نے دو نشست میں کافی بحث و مباحثہ کے بعد باتفاق رائے درج بالا فیصلہ فرمایا لیکن حقیر راقم کو اپنی کم علمی و کم مائگی کے باوجود مذہبِ مالکیہ کی طرف عدول سے اختلاف ہے کیوں کہ جہاں تک ممکن ہو قول امام پر فتویٰ لازم ہے لیکن اگر اسباب ستہ میں سے کسی سبب کی وجہ سے قول امام پر فتویٰ اور عمل ممکن نہ ہو تو عدول عن قول الامام کیا جائے پھر اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو عدول عن المذہب کیا جائے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں مندرج فتاویٰ

خیریہ کی درج ذیل عبارت سے مستفاد ہے:"فی شهادات الفتاوی الخیریة المقرر عندنا انه لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قوله ما او قول احدها او غیرهما الالضرورة"۔(فتاویٰ رضویہ،ج:۱،ص:۱۳۷)

یعنی فتاوی خیر یہ کتاب الشہادات میں ہے کہ ہمارے نزدیک طے شدہ امر یہ ہے کہ فتویٰ اور عمل امام اعظم ہی کے قول پر ہوگا اسے چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک، یا کسی اور کا قول اختیار نہ کیا جائے گا بجز صورت ضرورت کے۔

فتاویٰ خیریہ کی عبارت کی ترتیب پر غور فرمائیں کہ قول امام پر ہی فتویٰ اور عمل ہوگا نہ صاحبین یا ان میں سے کسی ایک یا کسی اور کے قول پر مگر ضرورتِ شرعیہ کے سبب یعنی اگر ضرورت شرعیہ در پیش ہو تو فتویٰ اور عمل قول صاحبین پر یا پھر کسی ایک پر ورنہ کسی اور کے قول پر۔ اور اوپر مذکور ہوا کہ صاحبین کے نزدیک دار الاسلام کے لیے ظہور احکام اسلام کافی ہے تو جب صاحبین کے قول (اگر چہ یہ جامع تعریف نہیں) پر عمل کر کے غیر مسلم ممالک کو دار الاسلام قرار دے کر نماز جمعہ و عیدین کے جواز کی سبیل نکل سکتی ہے تو پھر اس پر فتویٰ نہ دے کر اور امام اعظم کے علاوہ اپنے ائمہ حنفیہ کے قول سے صرف نظر کر کے دیگر مذاہب (مالکیہ ، شافعیہ اور حنبلیہ) پر فتویٰ کیوں دیا جائے۔اور خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے بھی فتاویٰ رضویہ شریف میں فرمایا کہ قول ضعیف کی تقلید دوسرے مذہب کی تقلید سے زیادہ بہتر ہے۔ چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"عند الضرورة تقلید قیل فی المذهب احسن من تقلید مذهب الغیر"۔ (ایضًا،ص:۴۵۹)

یعنی ضرورت شرعیہ کے وقت (اپنے) مذہب کے قول ضعیف کی تقلید دوسرے مذہب کی تقلید سے زیادہ اچھا ہے۔

مجلس شرعی کے فیصلے سے بالکل ظاہر ہے کہ غیر مسلم ممالک میں جواز و صحت جمعہ و عیدین کے لیے عدول عن مذہب الحنفیہ عموم بلویٰ اور دفع فساد مظنون بظن غالب کی وجہ سے کیا گیا۔ گویا غیر مسلم ممالک میں عوام و خواص کا نماز جمعہ و عیدین میں ابتلاے عام کے سبب عموم بلویٰ اور دفعِ فساد مظنون بظن غالب کا تحقق ہوگیا ہے بلکہ مجلس شرعی کے خلاصہ مقالات میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ مذہب حنفی سے عدول کی وجہ میں علماے اہل سنت مختلف ہیں۔ کسی نے تعامل، کسی نے عموم بلویٰ، کسی نے دین کی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی نے دفع فساد، کسی نے حاجب بمنزلۂ ضرورت اور کسی نے بیک وقت اسباب ستہ میں سے کئی اسباب کو قرار دیا۔ چناں چہ خلاصۂ مقالات میں ہے:

"مگر پھر ان میں بھی اس حیثیت سے اختلاف نظر آیا کہ مذہب حنفی سے عدول کی وجہ "اسباب ستہ" میں سے کون سا سبب ہے، کسی نے عدول کا سبب تعامل کو بتایا، کسی نے عموم بلویٰ کو کسی نے دین کی ضروری مصلحت کی تحصیل کو، کسی نے ازالہ فساد مظنون بظن غالب کو، کسی نے حاجت بمنزلہ ضرورت کو اور کسی نے کہا کہ یہاں بیک وقت اسباب ستہ میں سے کئی سبب پائے جارہے ہیں"۔(ماہ نامہ اشرفیہ، ستمبر۲۰۰۴،ص:۴۲)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ عدول عن المذہب کے لیے علماے کرام نے اسباب ستہ میں سے مختلف اسباب بیان کیے ہیں یہاں تک کہ بعض نے کئی ایک اسباب بیان کیے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ کیا ان اسباب کے سبب، عدول عن المذہب ہی ضروری ہے؟ کیا ان اسباب کے سبب قول ضعیف پر عمل کی اجازت نہیں؟ اجازت ہے جیسا کہ اس تعلق سے فتاویٰ رضویہ کی عبارت گزر چکی۔ اور جب عدول عن المذہب کے بغیر بھی جواز و صحت جمعہ و عیدین ممکن ہے تو پھر عدول عن المذہب کی کیا ضرورت؟

خلاصۂ مضمون: اس پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو ملک نیپال دار الاسلام کی جامع تعریف کے مطابق بھی دار الاسلام ہے۔ ثانیاً صاحبین کے قول کے مطابق بدرجہ اولیٰ دار الاسلام ہے اور بر سبیل تنزل اگر نیپال دار الحرب بھی ہو تو پھر بھی دفع فساد مظنون بظن غالب اور عمومِ بلویٰ کے سبب نماز جمعہ و عیدین جائز و درست ہے، خواہ قولِ امام اعظم کی بجائے صاحبین کو اختیار کرتے ہوئے دار الاسلام کی تعریف میں وسعت پیدا کر کے یا مجلس شرعی کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے مذہب حنفیہ سے مذہب مالکیہ کی طرف عدول کر کے۔

☆☆

نیپال میں مسلمانوں کی آبادی

عبدالرحیم ثمر مصباحی

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق کرۂ ارض کا کل رقبہ ۵۱۰۰۶۵۲۸۴ مربع کیلو میٹر ہے جس میں ٪ 70.8یعنی ۳۶۱۱۳۲۲۱ مربع کیلو میٹر پانی اور ٪ 29.2یعنی ۱۴۸۹۳۹۰۶۳ مربع کیلو میٹر خشکی پر مشتمل ہے۔نیپال ۲۳۲ ممالک کی فہرست میں رقبہ کے اعتبار سے ۹۳ ویں نمبر پر ہے۔ اس کا کل رقبہ ایک لاکھ سینتالیس ہزار ایک سو اکیاسی {۱۴۷۱۸۱} مربع کیلو میٹر ہے جس میں ٪ 2.8یعنی ۴۱۲۱ مربع کیلو میٹر پانی ہے ۔ اس ملک کے رقبے کا تناسب کرۂ ارض کے کل رقبہ میں ٪0.10 ہے۔اس ملک کی شمالی سرحد چین سے اور باقی تین سرحدیں ہندوستان سے متّصل ہیں اور اس کی شکل مستطیل ہے جس کا طول اس کے عرض سے تقریباً پانچ چھ گنا زیادہ ہے۔ دنیا کی دس بلند ترین چوٹیوں میں سے ۸ چوٹیاں اسی ملک میں واقع ہیں جن میں کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ (Everest) بھی شامل ہے۔

7.6بلین دنیا کی کل آبادی میں نیپال کا تناسب ۲۹۵۶۷۵۴۶ آبادی کے ساتھ ٪0.39 ہے اور آبادی کے اعتبار سے دنیا کی ۲۳۲ ممالک کی فہرست میں ۴۸ ویں نمبر پر ہے۔ اس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب سرکاری مردم شاری ۲۰۶۸ بکرمی کے مطابق ٪4.4 یعنی ۱۱۶۴۲۲۵ ہے جس میں ۵۷۹۵۰۱ خواتین اور ۵۸۴۷۵۴ مردوں کی تعداد ہے جبکہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی آبادی ٪8یعنی 2365403 ہے۔اس کے علاوہ یہاں ہندو مت ٪81.3، بدھ مت ٪9اور مسیحیت ٪1.4 ہے۔

نیپال میں صدیوں سے مسلمانوں کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ تقریباً ۶۰۰ سال پہلے یہاں اسلام شمالی ہند، کشمیر اور تبت کے راستے سے آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تین طرح کے، کشمیری، مدھیشی اور تبتی مسلمان پائے جاتے ہیں جن کی تہذیب و تمدن، رہن سہن، بول چال اور خورد و نوش کا طریقہ الگ الگ ہے۔ نیپال میں ٪90 مسلمان ترائی میں، ٪5 راجدھانی کاٹھمنڈو میں اور باقی پہاڑی علاقہ میں آباد ہے۔ نیپال کے تمام ۷۵ ضلعوں میں مسلمانوں کی آبادی پائی جاتی ہے جن میں سب سے زیادہ روتہٹ ضلع میں مسلمانوں کی آبادی ہے جبکہ سب سے کم تاپلے جونگ میں صرف دو آدمی پورے ضلع میں نظر آتے ہیں۔

نیچے کی جدول سے پورے ملک میں مسلمانوں کی آبادی کا مکمل اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قارئین کی معلومات کے لیے ۷۵ ضلعوں کی تفصیلی رپورٹ پیش کی جا رہی ہے۔

ضلع وار مسلم آبادی کی تفصیل

نمبر شمار	ضلع	ضلع کی کل آبادی	مسلم آبادی	مسلمانوں کی فیصدی
(۱)	روتہٹ	686722	135283	19.70
(۲)	کپل وستو	571936	103838	18.15
(۳)	بانکے	491313	93263	18.98
(۴)	بارا	687708	89685	13.04

(۵)	سنسری	763487	88072	11.53
(۶)	پرسا	601017	87033	14.48
(۷)	مہوتری	627580	83696	13.33
(۸)	روپندیہی	880196	72428	08.23
(۹)	دھنوشہ	754777	63099	08.36
(۱۰)	سرلاہی	769729	60679	07.79
(۱۱)	سپتری	639284	57004	08.92
(۱۲)	سرہا	637328	47566	07.46
(۱۳)	مورنگ	965370	45755	04.74
(۱۴)	جھاپا	812650	25974	03.20
(۱۵)	نول پراسی	643508	24160	03.75
(۱۶)	کاٹھمنڈو	1744240	21866	01.25
(۱۷)	بردیا	426576	11084	02.60
(۱۸)	چتون	579984	6741	01.16
(۱۹)	کیلالی	775709	4930	00.64
(۲۰)	دانگ	552583	4781	00.86
(۲۱)	کاسکی	492098	4437	00.90
(۲۲)	تنہو	323288	4157	01.28
(۲۳)	للت پور	468132	3080	00.66
(۲۴)	گورکھا	271061	3056	01.13
(۲۵)	اودے پور	317532	2168	00.68
(۲۶)	سیانگجا	289148	1978	00.68
(۲۷)	سورکھیت	350804	1825	00.52
(۲۸)	مکوان پور	420477	1787	00.42
(۲۹)	ارگھاکھانچی	197632	1773	00.90
(۳۰)	بھکت پور	304651	1503	00.49
(۳۱)	پالپا	261180	1226	00.47
(۳۲)	دھادنگ	336067	1037	00.31

(۳۳)	لمجونگ	167724	952	00.57
(۳۴)	باگلونگ	268614	734	00.27
(۳۵)	پربت	146590	624	00.43
(۳۶)	پیوٹھان	228102	614	00.27
(۳۷)	کنچن پور	451248	461	00.10
(۳۸)	ڈَے لیکھ	261770	459	00.18
(۳۹)	گلمی	280160	431	00.15
(۴۰)	نواکوٹ	277471	351	00.13
(۴۱)	کابھرے پالچوک	381937	318	00.08
(۴۲)	سلیان	242444	268	00.11
(۴۳)	اچھام	257477	257	00.10
(۴۴)	ایلام	290254	229	00.08
(۴۵)	رولپا	224506	216	00.10
(۴۶)	میاغدی	113641	180	00.16
(۴۷)	سندھولی	296192	179	00.06
(۴۸)	دھن کوٹہ	163412	161	00.10
(۴۹)	روکم	208567	126	00.06
(۵۰)	ڈوٹی	211746	116	00.05
(۵۱)	جُملا	108921	111	00.10
(۵۲)	باجورا	134912	100	00.07
(۵۳)	پانچ تھر	191817	55	00.03
(۵۴)	دولکھا	186557	46	00.02
(۵۵)	کھوٹانگ	206312	43	00.02
(۵۶)	سنکھواسبھا	158742	41	00.03
(۵۷)	سندھوپالچوک	287798	38	00.01
(۵۸)	ڈڈیل دھورا	142094	37	00.03
(۵۹)	تیرہ تھوم	202646	33	00.02

(۶۰)	رامے چھاپ	101577	31	00.03
(۶۱)	دارچولا	133274	31	00.02
(۶۲)	کالی کوٹ	136948	27	00.02
(۶۳)	اوکھل ڈھونگا	147984	26	00.02
(۶۴)	بیتڑی	250898	21	00.01
(۶۵)	بھوج پور	182459	19	00.01
(۶۶)	ڈولپا	36700	14	00.04
(۶۷)	سولوکھومبو	105886	13	00.01
(۶۸)	ہُملا	50858	11	00.02
(۶۹)	جاجرکوٹ	171304	10	00.006
(۷۰)	رسوا	43300	9	00.02
(۷۱)	بجھانگ	195159	8	00.004
(۷۲)	موگو	55286	6	00.01
(۷۳)	منانگ	6538	4	00.06
(۷۴)	مستانگ	13452	3	00.02
(۷۵)	تاپلے جونگ	127461	2	00.002

نیپال میں خواندگی کی مجموعی شرح ۵۳ فیصد ہے جس میں مسلمانوں کی شرح خواندگی میں ۵۸ فیصد مرد اور ۲۲ فیصد خواتین تعلیم یافتہ ہیں جبکہ ۴۲ فیصد مرد اور ۷۸ فیصد عورتیں ابھی بھی ناخواندگی کے زمرے میں داخل ہیں، اس طرح مسلمانوں میں خواندگی کی شرح صرف ۲۷ فیصد بنتی ہے جوکہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔یہی وجہ ہے کہ نیپال کے مسلمان بالکل پسماندہ حالت میں ہیں اور زیادہ تر مسلمان خط افلاس سے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔برسوں کی شورش اور بدامنی کے بعد نیپال ایک سیکولر جمہوری ملک بن چکا ہے۔اس کا اعلان ایک دہائی قبل ہو چکا ہے۔لیکن آئین سازی کا معاملہ کافی دنوں تک کچھ تنازعات کے باعث زیر التوا رہا بالآخر ۲۰ ستمبر ۲۰۱۵ کو نیپال نے اپنا نیا آئین نافذ کیا۔اس نئے آئین کے تحت نیپال ۷ صوبوں پر مشتمل ایک سیکولر، جمہوری اور وفاقی مملکت بن چکا ہے۔لیکن اس آئین سازی کے دوران مسلم قیادت کے فقدان کے باعث مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی مستحکم آواز نہیں اٹھی اور نہ ہی مسلم ماہرین کی ٹیم نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے حکومت کو تجاویز اور سفارشات پیش کی۔اس لیے مسلمانوں کو اس آئین سے خصوصی اختیارات نہیں مل سکے۔اول یہ کہ اقلیت ہونے کے باوجود مسلمانوں کے لیے تعلیم اور ملازمت کے میدان میں حکومت کی جانب سے...

(بقیہ....ص:۴۰/پر)

نیپال اور نیپالی مسلمانوں کو درپیش چیلنجز

اسباب اور حل

مفتی محمد رضا قادری مصباحی

نیپال کی تاریخ: جہاں تک نیپال کی تاریخ کی بات ہے تو اس کی قدامت کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہندوستان کے قدیم لٹریچرز اتھروید، اپنشد، پران اور کوٹلیا کے ارتھ شاستروں میں اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔[۱] یہ جواں مردوں، بہادروں، جفاکشوں اور صوفی سنتوں کا ملک ہے، اس کی تاریخ شجاعت اور حب الوطنی کے واقعات سے بھری پڑی ہے، ماضی میں اس کے ایک طاقتور ملک ہونے کے لیے مؤرخین کی یہ گواہی کافی ہے کہ نیپال کے ساتویں کرانتی راجہ Gali نے جنگ عظیم مہابھارت میں ارجن کا مقابلہ کیا تھا۔[۲] اس ملک پر تقریباً چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں، گوپال نسل، مہشپال نسل، کیرانتی نسل، سوریہ ونشی نسل، سومہ ونشی نسل، لچھوی نسل، ٹھاکوری نسل، مَلّ نسل اور پرتھوی نارائن شاہ نسل کے سینکڑوں بادشاہوں نے حکومت کی۔

قدیم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم اور عہد وسطی میں نیپال کے مختلف حصوں پر بیک وقت کئی بادشاہ حکومت کیا کرتے تھے— ۲۵ ستمبر ۱۷۶۸ کی تاریخ جدید نیپال کی تعمیر کا دن ہے جب پرتھوی نارائن شاہ نے ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو زیر کر کے ایک مستحکم اور متحدہ سلطنت نیپال کی بنیاد رکھی تھی۔ مجموعی طور پر نیپال بے پناہ امکانات اور قدرتی وسائل سے مالا مال ایک غریب ملک ہے۔ یہ وسائل انسانی بھی ہیں اور مادی بھی۔ نیپال کے بعض جنگلوں میں یورنیم جس سے ایٹم بم تیار کیا جاتا ہے بکھرا پڑا ہے۔ گیس کے ذخائر یہاں دریافت ہو چکے ہیں، سونے، جواہرات اور معدنیات کے ذخائر یہاں کے پہاڑوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہاں کی زمینیں دنیا کی بیش قیمت جڑی بوٹیاں تیار کرنے کے لیے زمانۂ قدیم سے ہی مشہور ہیں، یہی وجہ ہے کہ کوٹلیا کے ارتھ شاستر میں نیپال کی جڑی بوٹیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

نیپال کی خوبصورتی: نیپال اپنے گھنے جنگلات، سربفلک پہاڑوں کے سلسلے، ٹھنڈے موسم، سرسبز و شاداب زمینوں، دلفریب وادیوں اور صناع ازل کے شاہکار تخلیق کا حسین مظہر ہونے کے باعث قدیم زمانہ ہی سے سیاحین اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے توجہ کا مرکز رہا ہے یہ افسانہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ نیپال دنیا کے نقشے پر اتنا خوبصورت ملک ہے کہ اس کے قدرتی حسن و جمال کے آگے سوئٹزرلینڈ کی خوبصورتی بھی ماند پڑتی ہے۔ کشمیر و نینی تال جیسی نہ جانے کتنی وادیاں اور راجگیر جیسے سینکڑوں پرفضا مقامات جسے بہار کے باشندے اس کے حسن کی وجہ سے بہار کی مانگ سمجھتے ہیں نیپال کی محدود تنگنائیوں میں گم ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو پوکھرا کے Fewatall وادی Gomsong نامچے بازار، گورکھا اور کاٹھمانڈو وادی کا ایک بار ضرور مشاہدہ کریں۔ جو لوگ صرف ترائی علاقوں پر نیپال کا قیاس کرتے ہیں وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں نیپال کا اصل حسن پہاڑوں میں ہے۔ نیپال دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جس کا دار السلطنت تمام دار السلطنتوں میں سب سے بلند مقام پر واقع ہے۔

بحیثیت ریاست نیپال کو درپیش چیلنجز: قارئین کرام! آپ کو حیرت ہوگی کہ اتنے زیادہ قدرتی وسائل اور غیر معمولی امکانات کے باوجود نیپال ایک پسماندہ اور غریب ملک کیوں ہے؟ اس کا شمار ایشیا کے پانچ سب سے غریب ملکوں میں کیوں ہے؟ یہاں کی کرنسی اتنی ڈاؤن کیوں ہے؟ یہاں وسائل زندگی کا حصول اس قدر مشکل کیوں ہے؟ یہاں تو ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی ہونی

چاہیے، شہریوں کے لیے روزگار ہی روزگار اور مواقع ہی مواقع ہونے چاہیے۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یہاں چلنے کے لیے سڑکیں، سفر کے لیے عمدہ سواریاں، جینے کے لیے روزگار، تعلیم کے لیے مواقع اور تجارت کے لیے فضا سازگار نہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ نیپال ابھی تک معاشی اعتبار سے ایک خود کفیل ملک نہیں بن سکا، اس کے اسباب وجوہ پر آگاہی کے لیے ذیل کی سطور میں آنے والے حقائق کا تجزیہ کریں۔

ہمارے ناقص مطالعہ کی روشنی میں بعض ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے نیپال کی ترقی رکی ہوئی ہے اگر یہ رکاوٹیں دور ہوجائیں تو نیپال اور ملکوں کی بنسبت بہت ہی برق رفتاری کے ساتھ عالمی مارکیٹ میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

شاهانه آمرانه نظام کی حکمرانی: نیپال میں ہزاروں سال سے بادشاہت کا نظام رائج رہا اور یہ نظام اتنا طاقتور تھا کہ اکیسویں صدی کے اوائل تک جاری وساری رہا، جب کہ پڑوسی ملکوں سے شاہی نظام رخصت ہوئے ڈیڑھ صدیاں بیت چکی تھیں، یہ سلاطین وملوک خود کو اس ملک کا مالک، رعایا کا آقا اور مطلق العنان حکمراں سمجھتے رہے اور شہریوں کو اپنا غلام، پرجا کا حال یہ تھا کہ وہ بادشاہ کو اوتار اور بھگوان کے روپ میں دیکھنے کے عادی ہوچکے تھے، لہٰذا ان کے ہر حکم کی تعمیل ان پر واجب تھی اور حکم سے سرتابی موجب عتاب تھی۔ یہ سلسلہ ہزاروں سال سے چلا آرہا تھا، ۱۹۶۰/۲۰۱۷ سال بکرمی میں پنچایتی نظام لایا گیا اور عوام کی آواز دبانے کی کوشش کی گئی، یہ نظام ۱۹۸۹/۲۰۴۶ سال بکرمی تک جاری رہا۔

یکم جون ۲۰۰۱ کو شاہی محل میں پیش آنے والے حادثہ نے ملک کے حالات کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔ شاہ بریندر، ان کی بیوی مہارانی ایشوریا دیوی، اور ان کے خاندان کے دیگر سات افراد کے بہیمانہ قتل نے ملک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، قصر شاہی میں ہونے والی شازشوں نے ملک کے عوام کی آنکھیں کھول دیں۔ حالات نے کروٹ لیے اور دہائیوں سے راکھوں میں دبی ہوئی جمہوریت کی بحالی کی چنگاریاں پھر سے سلگنے لگیں اور عرصۂ دراز سے تاناشاہوں کی خود پرست نظام حکومت کے خلاف مسلم بغاوت کی لہر ماؤنواز تحریک کے زیر اثر شروع ہوئی، افواج اور ماؤنوازوں میں شدید تصادم ہوا بالآخر یہ جنگ ۱۰ ہزار سے زیادہ جانوں کی ہلاکت پر منتج ہوئی، ملک پورے طور سے عدم استحکام کا شکار رہا، اضطرابات بندش اور احتجاجوں نے ملکی معیشت، تجارت وسیاحت سب کو تباہ کرکے رکھ دیا بالآخر ۲۳ دسمبر ۲۰۰۷ کو کمیونسٹ ماؤنواز اور حکومت کے درمیان شاہی حکومت کے خاتمہ پر معاہدہ ہوا۔ ۲۸ مئی ۲۰۰۸ کو ۶۰۱ رکنی آئین ساز اسمبلی نے نیپال کی ۲۳۹ سالہ شاہی حکومت کا خاتمہ کرتے ہوئے نیپال کے ایک فیڈرل، ریپبلک، سیکولر جمہوری ملک ہونے کا اعلان کیا۔

بادشاہوں کی دلچسپی ذاتی سیر وسیاحت، آرام پسندی اور پر تعیش زندگی گزارنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ نیپال دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ریاستوں کی ڈور میں شامل ہونے سے قاصر رہا۔

سیاسی طوق غلامی: جن چیزوں نے اس ملک کو پسماندگی کی راہ پر ڈالا ہے ان میں سے ایک اہم سبب اس ملک کا سیاسی اعتبار سے خود کفیل نہ ہونا ہے۔ جب ملک کی داخلہ وخارجہ پالیسیاں باہر سے طے ہونے لگے تو اس ملک کو زوال سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ یہ سیاسی طوق غلامی جو جنگ بہادر رانا وزیر اعظم کے زمانہ سے اس ملک کے گلے میں پڑی آج تک نہیں اتر سکی۔ اگر یہ طوق آج اتر جائے تو کل سے ہی نیپال کا نقشہ بدلا ہوا نظر آئے گا۔ جس ملک کے لیڈران سیاسی پارٹیوں کو چلانے کے لیے وجود وبقا کی بھیک قرضے کی صورت میں دوسروں سے مانگیں وہ ملک کو کس طرح ترقی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے بعد ان کا قرضہ چکانے میں ہی مدت کار ختم ہوجاتی ہے۔ لہذا دوسرے ملکوں کی سیاسی مداخلت سے نیپال کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ ہم ایک آزاد جمہوریہ ہیں، ہم اپنا معاملہ خود طے کریں گے، ہم اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گے، جب تک لیڈروں میں یہ سوچ پیدا نہیں ہوتی وہ کٹھ پتلی کی طرح استعمال کیے جاتے رہیں گے۔ اب لگتا ہے کچھ حالات بدل رہے ہیں اور کے پی شرما اولی سابق وزیر اعظم اور پرچنڈ صاحب کے

بعض اقدام نے ثابت کردیا ہے کہ وہ ملک کو خود مختاریت کی طرف گامزن کرنے میں کوشاں ہیں اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ نیپال کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

معاشی ڈپنڈنسی کی پالیسی(معاشی انحصار): نیپال نے قسم کھا رکھی ہے کہ ہم معاشی عدمِ انحصار کی پالیسی پر عمل نہیں کریں گے بلکہ ہم پوری زندگی دوسروں کے رحم وکرم پر جیتے رہیں گے یہ سبھی کو معلوم ہے کہ نیپال بہت حد تک ہندوستان یورپین یونین اور چین کے درآمدات پر انحصار کرتا ہے اس کے سامان کا سب سے بڑا خریدار نیپال ہے۔ انڈیا یا چین کبھی نہیں چاہیں گے کہ نیپال اشیا کے پروڈکشن کے معاملے میں خود کفیل ہو یہی وجہ ہے کہ دوا سے لے کر کپڑے تک، روزمرہ استعمال کی اشیا، گاڑیاں اور ساری ہی چیزیں نیپال بھارت یورپین یونین، امریکہ، جرمنی یا چین سے خریدتا ہے۔ یہاں کا تقریبًا ایک ارب روپیہ یومیہ ہندوچین کو جاتا ہے اور نیپال ان دونوں ملکوں کے سامان فروخت کرنے کا بازار بنا ہوا ہے۔

نیپال کو اس جی حضوری اور چاپلوسی والی پالیسی کو چھوڑ کر Independency کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ اندرون ملک ہر طرح کے سامان تیار کرنے کے کارخانے اور فیکٹریز یہاں تیار کیے جانے چاہیں تاکہ نیپال کا پیسہ نیپال ہی میں رہے اور یہاں کا پیسہ یہاں کے عوام کی ترقیوں پر خرچ کیا جائے۔ جب سینکڑوں کارخانے اندرون ملک قائم ہوجائیں گے تو یہ لاکھوں انسان کے روزگار کا مسئلہ حل کردے گا— نیپال میں ضروری اشیا کے مہنگا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ساری چیزیں ہم باہر کی استعمال کرتے ہیں اور وہ مہنگے داموں پر خرید کر ہمیں مہنگا سپلائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چائے اور پان ہی کو لے لیجیے نیپال میں ۲۰ روپے سے کم میں نہ ملیں گے اور گاڑیوں پر قیمت سے دوگنا ٹیکس۔

مخلص قیادت کا فقدان: نیپال کے لیے بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس کو ایسے لیڈر بہت کم نصیب ہوئے جو اپنے ذاتی مفاد سے اٹھ کر ملک اور عوام کی ترقی کے لیے کام کرے۔ دوسرے ملکوں سے تجارتی تعلقات ملک کی جائدادوں کو قربان کیے بغیر استوار کرسکے۔ جس خاندان کو کبھی اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کا موقع ملا اس نے سب سے پہلے اپنے سات پشتوں کا انتظام کیا اور جنتا کو سڑکوں پر لا کھڑا کیا۔ ملکی خزانے کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس صورت حال سے واقف ہیں وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہاں کی جنتا امیر اور گورنمنٹ غریب ہے۔

اقتصادی انحصار کی پالیسی (*Policy of Economical Dependency*): نیپال اپنے اندر بڑے افرادی، آبی اور اقتصادی وسائل رکھنے کے باوجود دنیا کے ایک بہت ہی غریب ملک سے پہچانا جاتا ہے، ۲۰۱۶ کے ریکارڈ کے مطابق اس کی GDP (The Gross Domestic Product) شرح 21.14 Billion us Dollars تھی۔

عالمی مارکیٹ میں نیپال کی مجموعی ملکی پیداوار کی شرح ۱۴ اعشاریہ اکیس بلین امریکی ڈالر ہے۔ جب کہ ۲۰۱۲ میں GDP شرح $۱۷.۹۲۱ بلین امریکی ڈالر تھی، جس کی مالیت نیپالی کرنسی میں اٹھارہ کھرب، اکیانوے ارب، اکیانوے کروڑ، اٹھانوے لاکھ، پچیس ہزار چھ سو سولہ روپے ہوئے۔

۲۰۱۸ کے GDP رپورٹ کے مطابق نیپال کی مجموعی پیداوار کا وَیلُو پوری دنیا کے اقتصادی وَیلُو کا 0.03% ہے۔

۲۰۱۰ کے عالمی سروے کے مطابق نیپال میں 25.2% شہری قومی خط افلاس کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی یومیہ آمدنی ۱.۹۰$ نوے اعشاریہ ایک امریکی ڈالر سے بھی کم ہے۔

۲۰۱۴ میں Rural Poverty Portal کے مطابق 30.% سے زیادہ نیپالی خط افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔

نیپال دنیا کا ۱۵۰ واں بڑا ایکسپوٹر ملک ہے۔ ۲۰۱۵ مین نیپال نے $909M یعنی ۹۰۹ ملین ڈالر مالیت کا مال ایکسپورٹ کیا، اور $6.61B اور ۶۱ اعشاریہ چھ بلین ڈالر کا مال درآمد کیا Negative Trade کے نتیجہ میں .$5.7B ستر اعشاریہ پانچ بلین امریکی ڈالر کا

لوس ہوا ۲۰۱۵ میں نیپال، انڈیا، یونائیٹیڈ اسٹیٹس، چین، متحدہ عرب امارات اور سوئٹزر لینڈ کو اپنا مال اکسپورٹ کرتا ہے۔

اس اعداد و شمار سے عیاں ہے کہ نیپال دوسرے ملکوں سے جتنا مال خریدتا ہے اس کا دسواں حصہ بھی وہ درآمد نہیں کرتا، پٹرول، گاڑی، دوا، کپڑا، مشینی پرزوں سے لے کر روزمرہ استعمال کے اشیا تک انڈیا، یورپین یونین، جرمنی، متحدہ عرب امارات اور چین سے خریدتا ہے ایسی صورت میں مہنگائی بڑھتی ہے ملکی معیشت کی شرح ترقی کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیپال کی زندگی مشکل زندگی بن چکی ہے۔ ایک چاے اور پان بھی ۲۰ روپے سے کم میں نہیں ملتے، گاڑیوں پر 120% کا اضافی ٹیکس انسان کی کمر توڑنے کے لیے کافی ہے۔☆☆

ملک میں کارخانوں اور فیکٹریز کی اتنی قلت ہے کہ تمام اشیا بیرون ممالک سے منگانی پڑتی ہیں۔ نہ بیرونی کمپنیوں کو مناسب تعداد میں سرمایہ کاری کی اجازت ہے۔ اگر گورنمنٹ نیپال میں بے روزگار کے مسئلہ کو مخلصانہ طور پر حل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ نیپال سامان خود تیار کرے، نیشنل و انٹرنیشنل کمپنیوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دے تاکہ جہاں ایک طرف نیپال اقتصادی طور پر مضبوط ہوگا وہیں لاکھوں بے روزگاروں کو روزگار فراہم ہو جاے گا۔

ابھی ملک میں جتنے کارخانے ہیں وہ اس کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ ہمارے شہری بدیسی کمپنیوں میں کام کرنے کے لیے خلیجی ممالک کا سفر کرتے ہیں، گھربار بیوی، بچوں کو چھوڑ کر عمر کا نہایت قیمتی حصہ وہاں خرچ کرتے ہیں کیا بہتر ہوتا کہ ان کے لیے ہماری گورنمنٹ اندرون ملک روزگار فراہم کرنے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرتی۔

یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ جب بھی کوئی انٹرنیشنل کمپنی نیپال میں سرمایہ کاری کرنے کے بارے میں سوچتی ہے ہمارے پڑوسی ملکوں کی طرف سے ملکی لیڈروں پر اتنا دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ بے چارے اس کو اجازت نہیں دے پاتے، وہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے سارے سامان ہم تو تمھیں فراہم کر ہی رہے ہیں تمھیں کمپنی کھولنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں کہ انہیں خوف ہے کہ یومیہ نیپال سے تقریبا ۱۰ ملین روپے جو انہیں تجارت سے حاصل ہوتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے اور نیپال کو ان کے مال کی ضرورت نہیں پڑے گی، اس لیے وہ نیپال کو تہی دست اور محتاج رکھنا چاہتے ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ تمام ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر ہمارے ملک کے لیڈران ملک کی ترقی کے حق میں خود مختارانہ فیصلے لیں تاکہ یہ ملک معاشی بحران سے نکل کر ایک ترقی پذیر ریاست میں بدل سکے۔

ملکی وسائل اور خزانوں کا غلط استعمال: نیپال کی ترقی کی راہ اس وقت تک مسدود رہے گی جب تک یہاں کے قائدین قومی بینک کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ملک چندہ خوروں کا ملک بن چکا ہے۔ اس کی غربت کو دیکھتے ہوے بہت سے ممالک وقتاً فوقتاً اس کا مالی تعاون کرتے رہتے ہیں اور یہ تعاون معمولی نہیں ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی اتنا ہوتا ہے کہ از سر نو ایک نیا نیپال تیار کیا جا سکتا ہے میں یہاں پر اس کی صرف ایک مثال دینا چاہتا ہوں، آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۵،۲۶ اپریل ۲۰۱۵ کو نیپال میں اتنا شدید زلزلہ آیا کہ بڑی بڑی فلک بوس عمارتیں ملبوں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئیں۔ بڑی بڑی آبادیاں تباہ ہو گئیں۔ ۸۶۳۲ جانیں تباہ ہو گئیں۔ نیپال کو اس زلزلہ سے بڑا ہی جانی و مالی نقصان پہنچا، اس زلزلے کی لائی ہوئی تباہی کو دیکھ کر دنیا بھر کے ملکوں نے دست تعاون دراز کیا، آزاد دائرۃ المعارف ـــ ویکیپیڈیا کی رپورٹ کے مطابق دنیا کے ۳۵ ملکوں نے ڈالر اور پونڈ کی شکل میں نیپال کو جو بھاری مدد پہنچائی اس کا تخمینہ ۱۲۹۹.۲۰۸۶۶۴۳۵۵ بلین امریکی ڈالر ہے۔[۳]

یعنی بارہ سو ننانوے بلین، بیس کروڑ چھیاسی لاکھ چونسٹھ ہزار پانچ سو پینتیس امریکی ڈالر ہے۔ اگر اس سے بھی مختصر کریں تو ۱.۲۹۹۲۰۸۶۶۴۵۳۵ ڈالر بنتے ہیں۔ یعنی دس کھرب انتیس ارب بانوے کروڑ چھیاسی لاکھ چونسٹھ ہزار پانچ سو پینتیس امریکی ڈالر نیپال کو بطور مدد فراہم کیے گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ اتنی بڑی مالیت ہے کہ اس کے صحیح استعمال

سے ایک جدید ترقی پذیر نیپال کی از سر نو تشکیل و تعمیر ہو سکتی تھی، ہر گاؤں میں ہر علاقے میں سڑکوں اور ٹرینوں کا عمدہ جال بچھایا جاسکتا تھا، ہزاروں نئے کارخانے کھولے جاسکتے تھے، لاکھوں بے گھر انسانوں کو نیا مکان فراہم کیا جاسکتا تھا، مگر کیا ہوا؟ ہے کوئی جو میرے اس سوال کا جواب دے سکے۔ رشوت اور چندہ خوری کی یہ عادت نیپال کے ایک طاقتور ملک بننے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ ایک بیریر ہے جسے توڑا جانا چاہیے۔

سیر و سیاحت کو دلچسپ اور پر کشش بنانا: نیپال کو بڑا مالی فائدہ ٹورزم سے بھی ہوتا ہے۔ یہاں سینکڑوں پرکشش اور قابل دید پر فضا مقامات ہیں جن کو دیکھنے کے لیے دنیا بھر کے سیاحین ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان جگہوں پر خاطر خواہ صفائی کا انتظام نہیں ہوتا تفریحی مقامات کی آرائش پر گورنمنٹ کو مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے، ان تفریحی مقامات کے پاس آرٹی فیشیل میوزیم بھی تیار کیا جانا چاہیے جس میں نیپال کی قدیم و جدید تہذیب و تاریخ کی جھلک پیش کی گئی ہو۔

سماجی ہم آہنگی اور رواداری کے لیے انٹر فیتھ ڈائیلاگ کا اہتمام: ہمارا ملک کثیر قومی، لسانی، تہذیبی اور مذہبی خصوصیات کا حامل ہے اس لیے یہاں پیس فل کواکز سٹنس اینڈ ٹولرینس (Peaceful Coexistence & Tolerance) کے ماحول کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ یہاں کی گورنمنٹ اور سماجی اداروں کو چاہیے کہ وہ وقتاً فوقتاً مختلف مذاہب کے رہنماؤں کو بلا کر انٹر فیتھ ڈائیلاگ (Interfaith Dialogue)، بین المذاہب مذاکرات کا موقع فراہم کریں۔ اور مختلف مذاہب میں مشترک اقدار کے فروغ کے لیے مشترکہ جدو جہد کریں۔

تاکہ مختلف دھرموں کے ماننے والوں اور مختلف طبقات انسانی ولسانی سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان غلط فہمیوں کی جو خلیج وسیع ہو چکی ہے اس کو پاٹا جاسکے۔ ملک میں انسانی رواداری قائم کی جاسکے۔ بھائی چارہ کو فروغ ملے نفرتوں کا ماحول ختم ہو اور فرقہ پرستوں کو شکست دی جاسکے جو اس ملک کو بھی ہندوستان کی طرح جنگ و جدال کا میدان بنانا چاہتے ہیں۔

مصنفوں، ادیبوں، فنکاروں اور دانشوروں کی پذیرائی: کسی بھی ملک کی تہذیب و ثقافت کے فروغ اور سماج کی تشکیل میں اس کے دانشوروں اور ادیبوں کا اہم رول ہوتا ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری دونوں سطح پر ان کی خدمات کا اعتراف کیا جانا ضروری ہے۔ ان کی پذیرائی نہ ہونے کی صورت میں ترقی کی رفتار تھم جاتی ہے۔ حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ ہمارا ملک دانشوروں سے ہی پہچانا جاتا ہے وہی اس ملک کی صحیح تصویر باہر کی دنیا میں پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی قدردانی ہر حال میں ہونی چاہیے۔

ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اس ملک میں علما، دانشوروں، ادیبوں اور فنکاروں کی عزت افزائی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ادارے بہت کم دکھائی دیتے ہیں جو انھیں مالی تعاون کرے، ایوارڈ اور دیگر اعزازات سے نوازے۔

تعلیم کا حصول سب کے لیے ضروری کیا جائے: ہر فرد کے لیے یکساں طور پر تعلیم حاصل کرنے کی سہولت کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔ نیپال ابھی تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہے۔ یہاں 30% لوگ پرائمری سطح پر ہی تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مزید ٹکنکل ادارے اور یونیورسٹیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

نیپالی مسلمانوں کے مسائل — اسباب اور حل:

تاریخ کے معروضی مطالعہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی موجودگی تقریباً ایک ہزار سال سے ہے۔ تاریخ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ نیپال میں جتنے لوگ بھی آباد ہیں وہ سب باہر سے آئے ہوئے ہیں، کوئی بھی وہاں کا حقیقی باشندہ نہیں، نہ کوئی شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب سے انسان وجود میں آیا اس وقت سے ہم یہاں آباد ہیں۔ قدیم قبائلی نیپالیوں کا شجرۂ نسب منگول قبائل سے ملتا ہے جو چین اور منگولیا سے ہجرت کر کے نیپال میں بس گئے جب کہ نیپال پر حکومت کرنے والے تمام بادشاہوں کا شجرہ ہندوستان ہی سے ملتا ہے جس طرح غیر مسلم اقوام نے نیپال کی فطری خوبصورتی، صاف و شفاف آب و ہوا کے سبب یہاں رہائش اختیار کی، مسلمان بھی مختلف اسباب وظروف کے تحت یہاں منتقل ہوتے رہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے

مطابق مسلمان اس وقت ملک کی تیسری بڑی اقلیت ہیں ان کی تعداد 4.4% ہے۔یعنی چالیس اعشاریہ چار فیصد۔

بلاشبہ مسلمانوں کو یہاں کی جہتوں کئی سے مسائل درپیش ہیں کچھ تو وہ ہیں جو حکومتوں کی طرف سے پیدا کیے گیے ہیں اور بعض خود مسلمانوں کی اپنی کاتاہی اور بے حکمتی کے سبب پیدا ہوئے۔

ہم سطور ذیل میں چند بڑے مسائل کا تذکرہ قدر اجمال کے ساتھ کرتے ہیں۔

ا ــــ **تعلیمی مسائل:** اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ بقیہ دیگر مسائل بھی تعلیمی مسائل ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔کیوں کہ علم انسان کے مسائل کو حل کرتا ہے۔اسے ہلاکت ونقصان سے بچاتا ہے اس کے اندر شعور وآگہی پیدا کرتا ہے، پس جو قوم علم ہی سے دور بھاگ جائے اس کے مسائل کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔

جہاں مسائل ہوتے ہیں وہیں امکانات بھی پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن انسان کی نظر مسائل پر تو پہنچ جاتی ہے امکانات تک نہیں پہنچ پاتی۔ہمیں ایسا لگتا ہے کہ شاہی عہد حکومت میں مسلم کمیونٹی کی تعلیم وتربیت کی طرف سے قصداً لاپرواہی برتی گئی ہے۔اولاً عموما یہ ایک ناخواندہ قوم تھے جن کے لیے نہ اسکول تھے نہ مکاتب گورنمنٹ کو کیا پڑی تھی کہ یا خواندہ بن جائیں۔ثانیاً ہم نے بھی اپنے معاشرہ کو ایک تعلیم یافتہ معاشرہ بنانے کی کوئی تحریک نہیں پیدا کی۔جس کے نتیجہ میں ایک جہالت زدہ معاشرہ فروغ پاتا رہا۔

مسلم کمیونٹی میں اگر کہیں تعلیم کی رمق نظر آتی ہے تو وہ ان ٹوٹی چٹائی پر بیٹھنے والے علمائے کرام کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔اگر یہ مدارس اسلامیہ اور ہر گاؤں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب قائم نہ ہوتے تو نیپالی مسلمان مکمل طور پر مذہب سے کٹ جاتے۔ مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا رجحان نہ کہ برابر ہے کسی گاؤں میں مشکل سے مسلمان گریجویٹ مل سکے گا زیادہ تر لوگ ہائی اسکول سے پہلے ہی تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

جب وہ تعلیم حاصل نہیں کرتے تو گورنمنٹی ملازمتوں میں ان کے داخلہ کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے اس طرح مسلمان بہت سے اہم مناصب پر فائز نہیں ہو پاتے۔

مکاتب کی تعلیم کی اصلاح: کم از کم گزشتہ دو دہائیوں سے تقریباً ہر مسلمان بستی میں ایک مکتب قائم ہو چکا ہے۔لیکن یہ مکتبی تعلیم کفالت کے لیے ناکافی ہے۔مکاتب کا کوئی سلیبس متعیّن نہیں ہوتا، کلاسیز متعیّن نہیں ہوتیں، نظام میں جدت نہیں ہوتی مزید براں ایک استاذ کے ذمہ 50-100 طلبہ کی تدریس کا بوجھ ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ مکتب کی تعلیم کو منظم بنایا جائے، مکتب کو عصری ومذہبی تعلیم کا سنگم بنایا جائے، وہ مضامین جو نیپالی مسلمانوں کے لیے لازمی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً اردو، عربی، انگریزی، نیپالی، حساب، سائنس اور سماجیات وماحولیات ان کی تدریس مکاتب میں باضابطہ ہو۔ہر مکتب میں اسلامیات کے اساتذہ کے ساتھ عصری علوم کے اساتذہ کی بھی تقرری کی جائے کلاسیں باضابطہ ہوں، درجات کا تعین ہو اامتحان کا نظم قائم ہو پھر اس کی بنیاد پر ترقی کی سرٹیفکیٹ جاری کی جائے۔چار پانچ سالوں تک محض اردو وناظرہ خوانی تک طلبہ کو محدود کر دینے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر اسکول کا اہل نہیں رہ جاتا، اور اسکولوں میں محض عصری تعلیم کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طلبہ وطالبات دین سے مکمل طور پر کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ایسی صورت میں ارباب حل وعقد پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ ایک ہی اسکول یا مدرسہ میں دونوں طرح کی تعلیم کا نظم قائم کریں۔افسوس کے اس طرح کے اسکول یا مدارس ومکاتب ہمارے پاس نہ کے برابر ہیں، اگر ہیں بھی تو ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔بُٹول میں جناب روح الامین صاحب کا قائم کردہ اسکول، کاٹھمنڈو میں جامعہ غوثیہ احسن البرکات، نیاباز ار اس طرز تعلیم کے اداروں کے لیے ایک عمدہ عملی نمونہ ہے۔اصحاب ثروت اگر اس جانب محض تجارتی نقطۂ نظر سے بھی متوجہ ہو جائیں تو انہیں اس میں خاطر خواہ کامیابی مل سکتی ہے۔

تحصیل علم سے پہلے پیسہ کمانے کے لیے خلیجی ممالک کا سفر: نیپالی مسلمانوں کے لیے عصر حاضر کا یہ اہم چیلنج ہے

کہ ہم اپنے مستقبل کو خود اپنے ہی ہاتھوں دفن کرنے میں لگے ہوے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ شعور کی آنکھیں کھولنے سے قبل ہی مسلمان والدین اپنے بچوں کے تعلق سے طرح طرح کے خواب دیکھنا شروع کردیتے ہیں۔ اور ۱۸سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ان کا پاسپورٹ تیار ہوچکا ہوتا ہے۔ چند سکوں کی لالچ میں غریب بچوں کے والدین، بچوں کی تعلیمی خودکشی پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک عمومی جائزہ ہے کہ دیہاتوں میں رہ رہے لوگوں کے بچے بڑی تعداد میں پرائمری سطح کی تعلیم یا ہائی اسکول سے پہلے ہی تعلیم چھوڑ دیتے ہیں اور خلیجی ممالک کا سفر کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اس عمومی رویہ کے نتیجے میں ناخواندگی کی شرح کافی بڑھ چکی ہے، ان کی نظر میں تعلیم کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی، وہ دولت اور پیسہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ بات زیادہ تر ان گھرانوں میں زیادہ عام ہے جہاں گھر کے تمام افراد یا اکثر جاہل ہیں، ان کا کام پیسہ کمانا، زمین خریدنا اور مکان تعمیر کرنا ہے اور بس، مسلمان اپنی کمائی کا 10% بھی بچوں کی تعلیم پر خرچ نہیں کرتا۔ فی زمانہ تعلیم پر صرف ان گھرانوں میں زور دیا جاتا ہے جو پہلے سے تعلیم یافتہ ہیں۔

ان نوخیز نوجوانوں کے خون پسینے کی گاڑھی کمائی کا مصرف، اینٹ، بالو، پتھر، سمینٹ، اور مٹی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے ان کا مادی ڈیولپمنٹ تو ہوجاتا ہے لیکن ذہنی ارتقا (Intellectual Development) کا عمل رک جاتا ہے۔ سوچ محدود ہوجاتی ہے اور اسی جہالت مآب معاشرہ کے بطن سے فکری، مادی، اور سماجی بے راہ روی کے دروازے کھلنے لگتے ہیں، زندگی کے صحیح مقصد سے ناآشنائی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وطن سے دور ہونے کی وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہوپاتی معاشرتی بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔

مذہبی تعلیم کے لیے مدارس کا خود کفیل ہونا:

نیپال کے مدارس کے لیے یہ بات المیہ سے کم نہیں کہ وہ اب تک تعلیم کے میدان میں خود کفیل نہ ہوسکے وہاں کے طلبہ اعدادیہ اور اور دیگر ابتدائی درجات کی تعلیم کے لیے بھی ہندوستان کی علمی درسگاہوں کے محتاج ہیں، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدرسہ کے نام پر ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں اداروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ نیپال کی اپنی شناخت اسلامی علوم کو فروغ دینے والے ملک کی حیثیت سے کیوں نہ ہوسکی۔ اس کے اسباب راقم سطور کی نگاہ میں حسب ذیل ہیں:

۱-نیپال کے مدارس میں سسٹم کا فقدان ہے، ادارہ میں اچھے اساتذہ بھی ہوں، طلبہ کی تعداد بھی قابل ذکر ہو عمارتیں بھی دلکش ہوں مگر نظام درست نہ ہو تو وہ ادارہ کبھی بھی مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں کرسکتا۔

۲-قابل اور باصلاحیت مدرسین کا فقدان، کسی بھی ادارے کو بام عروج تک پہنچانے میں اس کے باصلاحیت مدرسین کا دخل ہوتا ہے۔ ان کی مخلصانہ کوششوں سے ادارہ اپنا ایک مقام بناتا ہے۔ نیپال کے مدارس کی پریشانی یہ ہے کہ یہاں باصلاحیت اساتذہ نہایت کم میسر ہیں اور اگر ایسے افراد میسر بھی ہوجائیں تو ان کا ٹھہراو بہت کم ہوتا ہے۔

اساتذہ کی تنخواہ کا مسئلہ: نیپال کا دماغ، یہاں کے اہل علم و ہنر نیپال کے لیے کام نہیں کرپارہے ہیں، حسب ضرورت تنخواہ نہ ملنے کے سبب ان کی خانگی اور معاشی ضروریات پوری نہیں ہوتیں جن کے سبب وہ خلیجی ممالک یا ہندوستان کے دینی اداروں میں ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ نیپال میں گورنمنٹ کی طرف سے مدارس کو سپورٹ نہ کرنے کے سبب یہ سارے مسائل پیدا ہوے۔ نہ مسلمانوں نے ہی مدارس کو خود کفیل کرنے اور اس کے معاشی استحکام کی طرف توجہ کی۔

مدارس کے نصاب و نظام تعلیم کی تجدید:

نیپال کے اکثر مدارس کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی تک ملا نظام الدین سہالوی علیہ الرحمۃ کے عہد کے نظام تعلیم کی اتباع کرتے ہیں اور قدیم منہج پر قائم و دائم ہیں۔ حالات زمانہ کے پیش نظر جو جدت اور تبدیلیاں لائی جارہی ہیں ان سے استفادہ کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ ہندوستان میں یہ جدت تو دیکھنے کو ملتی ہے لیکن نیپال میں ایسی نمایاں تبدیلی ابھی تک نہیں آسکی۔

آج کے نصاب تعلیم میں بالخصوص عربی، انگلش، نیپالی اور اردو زبانوں پر توجہ دینے کے ساتھ علم ریاضی، سائنس، جغرافیہ و تاریخ اور

ماحولیات وسماجیات کو بھی تدریس کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہاں خالص نیپالی زبان میں تبلیغ کرنے والے مبلغین پیدا ہو سکیں، اور یہ طلبہ مدرسوں سے فراغت کے بعد اگر عصری علوم کے میدان میں جانا چاہیں تو وہاں بھی جا سکیں۔

مدرسوں میں لائبریری کا فقدان: مدرسہ جو علم کا چمنستان ہوتا ہے وہاں اگر لائبریری کا تصور مفقود ہو تو اس سے بڑا قومی وملی المیہ ہمارے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ نیپال کے اکثر مدارس میں لائبریری کا قیام ابھی تک عمل میں نہیں آسکا ہے۔ وہ محض چند درسی کتابوں کے مجموعے کو ہی لائبریری سمجھتے ہیں۔

اور اگر کہیں لائبریری کے نام پر ایک کمرہ مختص بھی ہے تو اس کا حال اتنا افسوس ناک ہے کہ اس میں بیٹھنے کے لیے نہ کرسی میسر ہوں گے نہ صاف وشفاف ماحول ہوگا۔ نہ کتابوں کی کوئی ترتیب ہوگی، چند بکھری کتابیں الماریوں میں قید ملیں گی جن پر کتاب کا اندراج نمبر بھی درج نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لائبریری کا جو ناقص تصور ہے وہ انتہائی غیر علمی ہے۔

لائبریری کے لیے مستقل اسٹاف کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مستقل شعبہ ہے جس کے لیے باضابطہ علیحدہ عمارت ہونی چاہیے، کمپیوٹر میں تمام کتابوں کا اندراج نمبر درج ہونا چاہیے۔ فن یا زبان کے حساب سے کتابوں کا کیٹلاگ تیار کیا جانا چاہیے۔ مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے ملکی اخبارات، یومیہ پہنچنا چاہیے، پابندی سے جرائد ومجلات اور تحقیقی جنرلز مستقل اور پابندی کے ساتھ اسے خریدنا چاہیے اور طلبہ کو مطالعہ کی مکمل آزادی ملنی چاہیے تب جاکر ہماری یہ پسماندگی کہیں دور ہو سکتی ہے۔

مدارس کے اساتذہ روزانہ نیپالی زبان کا اخبار پڑھیں: میں اپنے ناقص تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ مدارس کے 90% اساتذہ ملک نیپال میں شائع اخبارات نہیں پڑھتے 95% مدارس اپنے مدرسوں میں اخبار نہیں منگواتے، پھر اپنی پسماندگی کا ذمہ دار دوسروں کو کیوں ٹھہراتے ہیں آپ خود اس کے ذمہ دار ہیں جس ملک کے علما اپڈیٹ نہ ہوں حالات زمانہ سے بے خبر ہوں ان سے قوم کی قیادت کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے؟ علما کو چاہیے کہ وہ خود بھی اخبار پڑھیں اور مسلم قوم کو بھی اخبار بینی پر ابھاریں تاکہ وہ باخبر رہ سکیں مسلم مسائل کے حق میں بذریعہ اخبار اپنی آواز بلند کر سکیں۔

علما، مدارس کی تعلیم کے بعد یونیورسیٹیز کا رخ کریں: اب میں یہ بات بطور خاص اپنے طلبہ اور علما برادری سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ فضیلت تک پڑھ لینے کو تبلیغ کے لیے کافی نہ سمجھیں۔ انھیں اپنی علمی ترقی اور معاش خوشحالی کے لیے یونیورسیٹی کی دنیا میں قدم رکھنا چاہیے تاکہ وہ اس کی ڈگریوں کی بنیاد پر اسکولوں، کالجوں اور یونیورسیٹیز میں استاذ، لکچرار اور پروفیسر وغیرہ مناصب، پر فائز ہو سکیں۔ علما کو M.Phil M.A. B.A. اور P.hd جیسے مراحل طے کرنا چاہیے تاکہ یہاں کی عصری دانشگاہوں میں بھی اس کی موجودگی ممکن ہو سکے۔

دفاعی اور فوجی سیکٹر میں مسلمانوں کی شمولیت: مسلمانوں کے حوالے سے یہ بھی ایک افسوسناک صورت حال ہے کہ فوج ہو یا پولیس، عدلیہ ہو یا مقننہ ہر میدان میں ہماری نمائندگی اور شمولیت صفر سے نیچے پہونچی ہوئی ہے بالخصوص دفاعی اور فوجی شعبے میں مسلمان نہ کے برابر ہیں نہ مسلمانوں کو اس جانب دلچسپی ہے۔ گورنمنٹ نے بھی جان بوجھ کر اس شعبہ میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا ہے۔ ایسا نہیں کہ ہمارے نوجوان اس شعبہ میں نہیں جاسکتے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اگر ان کی عمدہ تربیت کی جائے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت اچھی کارکردگی، جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ طاقت کے توازن کو برقرار رکھتے ہوے ان کی تعداد کے مطابق مسلم نوجوان کی فوج اور پولیس محکموں میں بھرتی کو یقینی بنائے۔

سوول سروسیز میں مسلمانوں کی شمولیت: یہ محکمہ انتظامیہ کا دماغ کہلاتا ہے اور حقیقتاً حکومت کی عملی ذمہ داریاں یہی محکمہ ادا کرتا ہے، یہی ایس پی، ڈی ایس پی، N.A.S. یا N.P.S. وغیرہ بنتے ہیں۔ مسلمانوں کی شمولیت اور نمائندگی اس میں بھی صفر کے درجہ پر ہے حکومت نیپال کو چاہیے کہ وہ بھید بھاؤ والا رویہ ختم کرے اور ہر برادری اور کمیونٹی کو یکساں ترقی کا موقع فراہم

کر کے ان کے داخلہ کو یقینی بنائے۔ اور ان کی آبادی کے حساب سے ان کے لیے ریزرویشن دے۔

نیپالی مسلمانوں کی معاشی زندگی: ایک تو نیپال ایشیا کے پانچ سب سے غریب دیشوں میں سے ایک ہے دوسری بات یہ کہ اس میں بھی مسلمانوں کی صورت حال سب سے ابتر ہے۔ سرکاری سروسیز میں مسلمانوں کی نوکری 1% سے زیادہ نہیں ہے۔ تعلیمی، تجارتی، سیاسی، عسکری اور فوجی سیکٹرز میں مسلمانوں کی نمائندگی ناقابل ذکر ہے۔ اندرون ملک مسلمانوں کی معاشی ترقی کے امکانات بہت ہی محدود اور مسدود ہیں اس کے اسباب مختلف ہیں۔ زیادہ تر مسلم کمیونٹی کا انحصار زراعت (کاشتکاری) پر ہے، مسلمانوں کا بڑا طبقہ مزدوروں (ورکرز) پر مشتمل ہے۔ قلیل تعداد میں مسلمان تجارت کے میدان میں دکھائی دیتے ہیں ان تاجروں میں سر فہرست کشمیری نژاد نیپال مسلمان ہیں، دوسرے نمبر پر عراقی (لاری) ہیں اور تیسرے نمبر پر تبتی مسلمان آتے ہیں جب کہ چوتھے نمبر پر ترائی علاقوں میں رہنے والے مسلمان ہیں۔ جب مسلمانوں کو سرکاری سیکٹروں میں روز گار کے مواقع نہیں ملے تو انھیں چاہیے تھا کہ دوسرا امکان تلاش کرتے اور تجارت کے میدان کو اپناتے، لیکن فی زمانا تجارت کرنے کے لیے بھی علم، عقل اور سرمایہ کی ضرورت ہے مسلمان علمی میدان میں پچھڑنے کے سبب تجارت کے میدان میں بھی پچھڑے ہی رہے۔

نیپالی مسلمانوں کا خلیجی ملکوں پر انحصار:

روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی، اندرون ملک روز گار کے مواقع مسدود ہونے کے سبب، اقتصادی زبوں حالی کے پیش نظر، خوش حال زندگی کی تلاش میں نیپال کے مسلمانوں کو سعودی عرب، دوحہ قطر، بحرین، عمان، ملیشیا، دبئ، قطر، کویت اور مسقط جیسے ملکوں کا سفر کرنا پڑتا ہے، یہاں کی کمپنیوں میں ایک مزدور کی حیثیت سے انھیں کام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ تقریباً 40-30 سالوں سے جاری ہے اور ان ملکوں میں جانے کا یہ سلسلہ ہر سال بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ان ملکوں میں نیپالی مسلمانوں نے محنت وجفاکش کے ذریعہ سد رمق کا سامان کیا تب جا کر ان کی غربت وافلاس کی زندگی کا کسی طرح خاتمہ ہوسکا۔ ۲۰۱۷ کے سروے کے مطابق صرف قطر میں نیپالیوں کی تعداد 350,000 (ساڑھے تین لاکھ) ہے اور اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تقریباً ۸ لاکھ نیپالی شہری صرف خلیجی ممالک میں کام کر رہے ہیں ان میں ۷ لاکھ صرف مسلمان ہیں۔ پھر ہمارے ملکی سربراہوں کے سستے معاہدہ کے سبب نیپال ورکروں کو بہت معمولی تنخواہ پر کام کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انڈیا کے بعد دوسرے نمبر پہ وہاں نیپال کے شہری زیادہ تعداد میں ہیں — اب عرب انقلاب کے بعد لگ رہا کہ نیپالی مسلمانوں کا سنہرا مستقبل بھی تاریکی کے دہانے پر ہے۔ کیوں کہ قدرتی گیس اور پٹرول سے مالا مال یہ عرب ممالک اب خود زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور بڑی تعداد میں غیر ملکی مزدوروں کی واپسی کا سلسلہ جاری ہے۔ سینکڑوں کمپنیاں دیوالیہ کا شکار ہو کر بند ہو چکی ہیں۔ اس لیے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نیپالی مسلمانوں کے لیے بھی خلیجی ممالک کا سنہرا دور (اب جلد ختم ہونے والا ہی ہے) اس لیے اندرون ملک ہی مسلمانوں کو اپنے لیے روز گار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے سنجیدگی سے سوچنا ہوگا — تجارت، صنعت، حرفت زراعت اور تعلیم کی طرف آنا ہوگا۔

مسلمانوں کا سیاسی مستقبل: سیاست اور اقتدار، زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ جو قومیں سیاست سے دور ہو جائیں وہ محکوم اور غلام بنالی جاتی ہیں اور جو قومیں سیاست میں دلچسپی لے کر اپنا رول ادا کرتی ہیں وہ حاکم بن جاتی ہیں۔ سیاست واقتدار کے بغیر قوموں کا وجود مٹ جاتا ہے۔ جو انقلابات صدیوں میں نہیں آپاتے وہ سیاست واقتدار کے زیر اثر سالوں میں لائے جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں سسٹم پر اجارہ داری ہوتی ہے۔ انسان کا تعلیمی مسئلہ ہو یا معاشی یا تحفظ وبقا اور ترقی کے مسائل ہوں یہ سب حکومت وسیاست کے زیر اثر لمحوں میں حل ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی ملک یا قوموں کی ترقی کا راستہ سیاسی نظام سے طے ہوتا ہے۔

تاریخ کے معروضی مطالعہ نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان اس ملک میں قیام کے ہزار سال بعد بھی اپنا سیاسی وجود قائم کرنے میں ابھی تک ناکام رہے ہیں وہ اس ملک میں ابھی تک کوئی مسلم سیاسی قیادت نہیں

پیدا کر سکے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوششیں نہیں ہوئی بعض طالع آزما، شاہین صفت لوگوں نے اس میدان میں قدم رکھا بھی لیکن ہمارے قومی وملی انتشار اور سماجی جہالت و پسماندگی اور پست سوچ نے ان کا خاطر خواہ سپورٹ نہیں کیا۔ جب یہ قوم ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتی تو اتنے بڑے مسئلہ کے لیے متحد کیسے ہو سکتی ہے؟ نیپال کے ۱۰ اضلاع میں مسلمان فیصلہ کن پوزیشن میں ہیں۔ لیکن مسلمان لیڈران ہوں یا قوم سب بڑی بڑی پارٹیوں کا لقمۂ تر بن جاتے ہیں۔ آج تک وہ ووٹ بینک کی طرح استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔

مسلمانوں میں سیاست سے دلچسپی کا عنصر ماضی میں بہت کم رہا اب اس میں کچھ اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے لیکن وہ سب بیساکھی کے سہارے چل رہے ہیں۔ مسلم طلبہ کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پولیٹیکل سائنس سے گریجویشن کریں، وکالت کی ڈگری حاصل کریں اور ملکی سیاست میں حصہ لینے کی کوشش کریں۔ ☆☆☆

مسلمانوں میں سائنسی، تحقیقی و تصنیفی اکیڈمیاں: اگر تحقیقی تصنیفی اور نشریاتی جہت سے ہم نیپال کا جائزہ لیں تو ہمیں ایک بھی ایسا قابل ذکر ادارہ یا اکیڈمی نہیں ملتی جو صرف اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی ہو۔ جہاں سے علما و مصنفین کی کتابیں شائع کرنے کا خاطر خواہ انتظام ہو، بجٹ ہو۔ جبکہ اس طرح کے اداروں کی یہاں سخت ضرورت ہے۔ علما کی سینکڑوں تصانیف کرم خوردہ ہو کر ضائع ہو رہی ہیں اور کوئی انھیں چھاپنے والا نہیں ہے۔

قرآن مجید کا اب تک نیپالی زبان میں کسی سنی عالم دین کا ترجمہ نہیں شائع ہو سکا، تاریخ، حدیث، فقہ، دینیات اور نصابی کتب کو نیپالی زبان میں منتقل کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ایسا ادارہ ہونا چاہیے جہاں سے یہ کام ہو سکے یہ پروجیکٹ بھی اہل خیر کی نگاہوں کا طالب ہے۔

جہاں ہم غیر نتیجہ خیز جگہوں پر دسیوں لاکھ روپے صرف کر دیتے ہیں ہم اپنے جلسوں کے بجٹ کو کم کر کے اس طرح کی تصنیفی و نشریاتی اکیڈمیوں کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

غیر نتیجہ خیز جلسوں کی کثرت: جس طرح یہ ہندوستان کے لیے ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے اسی طرح ہمارا نیپال بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، جلسے اس قدر کثرت کے ساتھ ہو رہے ہیں جیسے جلسوں کی باڑھ آگئی ہو، اور اکثر جلسوں کا انجام غیر نتیجہ خیز ہی رہتا ہے۔ دسیوں لاکھ روپے صرف کرنے کے بعد بھی انتشار اور محرومی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ جس گاؤں میں کوئی پارٹی نہ ہو جلسہ کر کے دیکھ لیجیے وہاں کئی پارٹیاں بن جائیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل بیشتر جلسے سستی شہرت، جلب منفعت اور حب جاہ کی خاطر وجود میں آرہے ہیں، ملک و ملت کی تعمیر کا جذبہ صفر ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد کرایے کے جاہل خطبا، رقص کناں شعرا اور لطیفہ و چٹکلے باز فنکاروں کی آمد سے قوم کی تعمیر تو نہیں ہوتی البتہ ان کی جیب ضرور گرم ہو جاتی ہے، اور وقتی طور پر عوام کی تفریح کا سامان ہو جاتا ہے۔

پچھلے سو سال میں ہم نے عوام کی جس نہج پر تربیت کی ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کا ذہن کسی علمی و سنجیدہ گفتگو سننے کا متحمل نہیں ہو سکا۔ ان کو وہی خطبا اور شعرا چاہیے جو ان کے جاہلانہ و سوقیانہ مزاج کو تفریحی غذا فراہم کر سکے۔ اس کے مکمل ذمہ دار ہمارے یہ علما و قائدین ہیں جو اس طرح کے جلسوں کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔ مسلک کے سلگتے ہوئے مسائل، حالات حاضرہ پر بولنے کے لیے کسی کی زبان نہیں کھلتی اور کسی شخصیت کے خلاف بولنے میں گلے کا خون خشک ہو جاتا ہے، رگیں پھول جاتی ہیں۔

ڈاکٹر اقبال لاہوری نے کہا تھا: **"جب کسی قوم پر زوال آتا ہے، تو وہ قوم جوشیلی تقریروں اور جذباتی نعروں کی خوگر ہو جاتی ہے"۔** ہمارا آج یہی حال ہو چکا ہے۔ بے عمل اور بے علم مقرروں کو بلا کر ہم مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں۔ آج ہمارے عوام باعمل عالم دین اور صحیح معنوں میں دانشوروں اور مفکروں کی صورتوں کو دیکھنے کے لیے ترس رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ مدرسوں سے وابستہ باعمل عالم اور خطبا کو بلانے کی کوشش کریں، قوم کو بے وقوف بنانے اور اپنی برتری کا نعرہ لگوانے کا عمل ترک کر دیں۔

ہمارے جلسوں اور مذہبی اسٹیجوں سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے، جس طرح مذہبی مسائل

میں علما قوم کی رہنمائی کرنا ہیں اسی طرح سیاسی میدان میں بھی رہنمائی کرتے ان کا فرض ہے تاکہ وہ مسلمان دشمن طاقتوں کا آلۂ کار نہ بن جائیں۔ یہ بڑا المیہ ہے اور باعث حیرت بھی کہ جب بھی کوئی جلسہ ہوتا ہے تو اس کے پوسٹر پر نیچے یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس جلسہ کو سیاست حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ آخر اس جملہ سے آپ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کا تعلق سیاست حاضرہ سے نہیں تو سیاست ماضیہ و مستقبلہ سے یا آپ سیاسی مخلوق نہ بن کر اس دنیا میں جنتی مخلوق کی طرح جینا چاہتے ہیں، اسی پست اور منفی سوچ نے ہمیں پستی اور ذلت کے عمیق غار میں ڈھکیلا ہے۔ علما کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کی شاندار سیاسی تاریخ کا مطالعہ کریں، علمانے ہر دور میں انقلاب کو جنم دیا ہے اور سیاست و قیادت کے ذریعہ ملک کی مطلق العنان حکومتوں کو چیلنج بھی کیا ہے۔ اس طرح کی ذہنیت شکست خوردگی، پست ہمتی، احساس محرومی، خود اعتمادی اور جرأت و ہمت کے فقدان اور ہنگامۂ زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔

اس وقت نیپال اپنی تعمیر جدید کے مرحلہ سے گذر رہا ہے، اس کی سیاسی اینٹیں رکھی جا رہی ہیں، اگر مسلمان اس وقت ایک اینٹ بھی رکھنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ اس ملک کے بانی کہلائیں گے۔ میں اپنے ملک کے تمام سیاسی و مذہبی قائدین، دانشوروں، ادیبوں اور مصنفوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ اپنے تمام داخلی و خارجی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے متحد ہو کر اس ملک کی تعمیر و تشکیل اور ڈیولپمنٹ میں قائدانہ رول ادا کریں تاکہ آنے والی نسلیں آپ کے لگائے ہوئے شجر سے سایہ حاصل کر سکیں۔ آج کی ہماری ادنی بھی کوتاہی ہمیں سو سال کے پیچھے کر دے گی۔

آج حالات مایوس کن نہیں ہیں نیپال اور نیپال کے مسلمانوں کا سیاسی مستقبل ہمیں بہت تابناک نظر آتا ہے۔ میں مبارک باد پیش کرتا ہوں ۲ نمبر پردیش کے وزیر اعلی جناب محمد لال بابو راوت کو جو آج وزیر اعلی کی کرسی پر براجمان ہیں۔ ان کی سیاست میں دلچسپی، انتھک محنت و لگن اور اللہ کے فضل نے آج اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بڑے فخر اور حوصلے کی بات ہے کہ جمہوری نیپال میں ۲ نمبر پردیش کا پہلا وزیر اعلی مسلمان منتخب ہوا۔

جلسوں سے زیادہ سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد:

ناخواندہ معاشرہ میں جلسہ ایک ضرورت ہے لیکن جو خطے علمی و ادبی ہیں وہاں بھی اب تک لوگ جلسوں اور جلوسوں میں ہی الجھے ہوئے ہیں یہ لمحۂ فکریہ ہے، عوامی اور سماجی روپے کو بدلنے اور علمی و ادبی فضا قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فرسودہ ڈھروں سے بلند ہو کر عصری تقاضوں کے تحت علمی، ادبی، فقہی، سماجی اور تعلیمی و تحقیقی سیمینار، کنونشن اور سمپوزیم جیسے مجالس کا انعقاد کریں تاکہ ہماری قوم کا فکری رویہ بدل سکے۔ جو پیسے ہم بے جا خرچ کرتے ہیں انھیں با مقصد کام کے تحت خرچ کریں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

☆☆☆—☆☆☆—☆☆☆

حوالے

(1) - P.17,Looking to the future: indo-Nepal Relation in persepective by Lok Raj Baral.
(2) – Ancient Nepal . Pr. Regmi. Page: 58- first edition 1965.

(۳) - دیکھیے آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا، نیپال میں ۲۰۱۵ کا زلزلہ۔

مدارس کے نصاب و نظام میں اصلاحات

محمد اظہار النبی حسینی مصباحی

"مدارس کے نصاب و نظام میں اصلاحات" جیساکہ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس کے دو جز ہیں؛ مدارس کا نصاب تعلیم اور مدارس کا نظام (تعلیم)۔ اس عنوان میں اس قدر تنوع ہے کہ ایک مقالے میں سب کو جمع کر سکنا مشکل ہے؛ اس لیے اس حوالے سے جو اہم باتیں ہیں اور عموما بیان نہیں کی جاتیں، ہم صرف انھی کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

میرے خیال میں کسی بھی چیز کی موجودہ صورت قابل اصلاح ہے یا نہیں، پھر اگر ہے تو کس قدر اصلاح کی گنجائش ہے؟ یہ جاننے کے لیے اس کے نصب العین اور مقصد کو جاننا ضروری ہے اور جانے بغیر کسی بھی طرح کی رائے زنی اور خیر خواہانہ مشورہ بے سود اور غیر مفید ہوگا؛ اس لیے سب سے پہلے نصاب مدارس کا نصب العین اور مقصد ملاحظہ فرمائیں۔

نصاب مدارس کا مقصد: مدارس کے نصاب تعلیم کا مقصد دین کے ایسے سچے داعی، مآخذ اسلام مثلاً قرآن و سنت کے عالم و فقیہ، تعلیمات اسلام کے مبلغ و معلم اور ملت اسلامیہ کے مخلص رہبر و رہنما کی ٹیم تیار کرنا ہے جو عرف و عادات کی نزاکت سمجھنے والے اور وقت و حالات کے مزاج شناس ہوں، گردش ایام کے بھنور میں امت کی ڈوبتی کشتی کو ساحل تک پہنچانے کے لیے عمدہ لائحہ عمل تیار کریں اور مذہب و ملت اسلامیہ کی حفاظت و صیانت کا دینی و اخلاقی فریضہ انجام دیں۔

اپنے وقت کے ایک عظیم ماہر تعلیم علامہ محمد احمد مصباحی صاحب لکھتے ہیں: "اس نصاب (دینی تعلیمی نصاب جو مدارس دینیہ عالیہ میں علماے دین کی تخریج کے لیے مقرر ہے) کا بنیادی اور اہم مقصد یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت پیدا ہو، اسلامی عقائد و احکام کا عرفان ان کے دلائل کے ساتھ ہو، اسلامی مآخذ، اسلامی تاریخ، سیرت رسول اکرم ﷺ، شعار اسلام اور اہل سنت کے عقائد و معمولات پر غیروں کی جانب سے ہونے والے حملوں کا جواب دینے کی قوت پیدا ہو اور مختلف محاذوں پر امت مسلمہ کی حکیمانہ و مخلصانہ رہنمائی اور رہبری کی لیاقت بہم ہو۔" (رہنماے علم و عمل، ص:۴۰)

اس غرض و غایت کو پیش نظر رکھا جائے اور غور کیا جائے کہ اس کے حصول کے لیے اگر ہمارا نصاب کافی ہے تو تبدیلی کی حاجت و ضرورت نہیں، لیکن اگر موجودہ نصاب سے مذکورہ مقصد حاصل نہ ہو تو ضرور تبدیلی لانی چاہیے۔ میری ناقص نظر جب موجودہ نصاب پر پڑتی ہے تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ موجودہ نصاب اپنے نصب العین کی تکمیل کے لیے ناکافی ہے اور اس میں کچھ ترمیم ضرور کرنی چاہیے، جو درج ذیل ہے:

جدید علم کلام: علم کلام کی جہاں تک بات ہے تو سب سے پہلے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ عقائد ہی اصل الاصول ہیں، مگر بڑا افسوس آتا ہے جب ہم درس نظامی کے نصاب پر نظر کرتے ہیں تو صرف ایک کتاب "شرح عقائد" کے نام سے نظر آتی ہے، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ عقائد کے مضمون کے لیے مزید کتابیں داخل نصاب ہوں۔

شرح عقائد پڑھنے والوں پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ قدیم زمانے میں جب فلسفے کے ذریعہ اسلام پر حملے کیے جانے لگے تو اس کا جواب دینے کے لیے ہمارے اسلاف کرام نے ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں جو عقائد پر مشتمل ہوتی اور اس میں فلاسفہ کے باطل نظریات کا خوب رد بھی ہوتا۔ آج اس فلسفے کا نام و نشان بھی اس کی جنم بھومی میں باقی

نہیں، بلکہ آج جدید فلسفے یعنی ”سائنس“ کا دور ہے اور ہر شخص سائنس کی زبان میں ہی کچھ سمجھنا اور بولنا چاہتا ہے اور اس سے ہٹ کر جو آواز آتی ہے اسے صدائے بازگشت کی بھی حیثیت نہیں دیتا؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی کتابیں مرتب کرکے ہم اپنے نصاب میں شامل کریں جن میں سائنسی دلائل کے ذریعے ہم اپنے عقائد کو ثابت کریں اور سائنس کے جن اصول و قوانین کے ذریعے اسلام کے بنیادی عقائد پر حملے کیے جاتے ہیں، ان کا رد و ابطال کیا جائے جسے ہم ”جدید علم کلام“ کہہ سکتے ہیں۔ اس کو درج ذیل مثال سے سمجھیے:

سائنس سے تعلق رکھنے والی کئی شخصیات ایسی ہیں جو خدا کے وجود کی منکر ہیں، موجودہ دور کے ایک عظیم سائنس دان اسٹیفن ہاکنگ کا بھی یہی حال تھا۔ یہ حضرات عموماً یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر خدا موجود ہے تو اسے کس نے پیدا کیا؟ گویا ان کے نزدیک ایسی چیز کا وجود نہیں تسلیم کیا جا سکتا جس کا کوئی پیدا کرنے والا نہ ہو۔ ایسے وقت میں اگر کسی سائنسی اصول کے ذریعے خدا کے وجود پر دلیل لائی جائے تو یقیناً انھیں خدا کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ سائنس کے تھرموڈائنامکس (Thermodynamics) کے اصول کے ذریعہ ہم ان کے اس مفروضے کا بخوبی جواب دے سکتے ہیں چناں چہ تھرموڈائنامکس کا سب سے پہلا قانون ہے:

"The First Law of Thermodynamics states that heat is a form of energy, and thermodynamic processes are therefore subject to the principle of conservation of energy. **This means that heat energy cannot be created or destroyed.** It can, however, be transferred from one location to another and converted to and from other forms of energy."

یعنی تھرموڈائنامکس کا پہلا قانون یہ بتاتا ہے کہ گرمی توانائی کی ایک شکل ہے، اور تھرموڈائنامکی عمل توانائی کے تحفظ کے اصول کے تابع ہیں. اس کا مطلب یہ ہے کہ گرمی کی توانائی نہ پیدا کی جا سکتی اور نہ تباہ کی جا سکتی ہے۔ تاہم یہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام میں منتقل ہو جائے گی اور دوسری شکلوں میں توانائی سے تبدیل ہو جائے گی۔

اس قانون کے مطابق توانائی کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تباہ کیا جا سکتا ہے۔ اب جب کہ سائنسی نظریے کے مطابق توانائی کی نہ پیدائش ہے اور نہ فنا، اس کے باوجود سائنس کی دنیا اس کا وجود تسلیم کرتی ہے تو پھر مذہب کے ماننے والوں کے لیے یہ انوکھا قانون کیوں؟ کہ وہ ایسے خدا کا وجود تسلیم نہ کریں جسے کسی نے پیدا نہ کیا۔

اسی طرح مذہب کے وجود کو کسی بھی مشینری کے Technical Order اور Technical Manual کے ذریعے، وجود کائنات کے بارے میں اسلامی نظریے ”کن فیکون“ کو Big Bang کے ذریعے اور واقعہ معراج کو Theory of Relativity کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

سائنس: جب ہم اپنے نصاب میں جدید علم کلام کو شامل کریں گے تو لامحالہ ہمیں سائنس کو بھی داخل کرنا پڑے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ پورا علم سائنس داخل نصاب کیا جائے بلکہ اسی قدر داخل کیا جائے جس قدر جدید علم کلام کی تفہیم میں معاون ثابت ہو، جیسا کہ ہم ایک زمانے سے فلسفہ (قدیم سائنس) کو درس نظامی میں ”ہدایۃ الحکمۃ اور شرح ہدایۃ الحکمۃ“ جیسی کتابوں کے ذریعہ پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ میری اس بات کو موجودہ دور کے ایک عظیم اسلامی اسکالر پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی کی زبانی سنیے: ”میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پورے نصاب درس پر سائنس کا حاوی رہنا ضروری نہیں البتہ ثانوی درجات کے طلبہ کے لیے سائنس لازمی مضمون کی حیثیت سے اسی طرح پڑھائی جائے جس طرح درس نظامی کے دیگر مضامین پڑھائے جاتے ہیں تو یہ تبدیلی طلبہ کو سائنس کی روشنی میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں معاون ثابت ہوگا اور وہ ارضیات و فلکیات سے متعلق آیات قرآن کی افہام و تفہیم کے مسائل سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہو سکیں گے۔“ (دینی مدارس اور عصر حاضر کے تقاضے، ص: ۱۵۳)

علم فقہ: علم فقہ کا نام سن کر امید ہے کہ قارئین کو مجھ کم عقل پر ہنسی آرہی ہوگی کہ یہاں علم فقہ کا ذکر کیوں کیا گیا جب کہ آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہے کہ مدارس اسلامیہ میں فقہ کی تعلیم خصوصی طور سے دی جاتی ہے، بلکہ اب تو اختصاص فی الفقہ کے شعبے بھی قائم کیے جا رہے ہیں، لیکن راقم علم فقہ کے حوالے سے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہے۔

اول یہ کہ درس نظامی میں شامل کتب فقہ پر نظر کی جائے تو آپ بھی اس بات کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بیشتر مدارس میں ہماری فقہ طہارت سے شروع ہوکر نماز کی ادائیگی پر ختم ہو جاتی ہے اور کہیں ہم اس سے آگے بڑھتے ہیں تو نکاح کرتے ہیں اور بازار سے کچھ خرید و فروخت کے بعد گھر واپسی کر لیتے ہیں، یعنی کتاب النکاح اور کتاب البیوع ہماری سرحد ہے۔ جب کہ فقہ کا نصاب اس طور پر مرتب کیا جانا چاہیے کہ کم از کم ایک مرتبہ تمام ابواب ہماری نگاہوں سے گزر جائیں اگر چہ متون کی ہی شکل میں۔

ثانی یہ کہ حالات حاضرہ اور موجودہ ماحول کی وجہ سے اس امر کی بھی شدید ضرورت کا احساس ہوتا ہے کہ فقہ میں ایسی کتابیں مرتب کی جائیں جن میں اسلامی احکام اپنے ماٰخذ کے ساتھ ساتھ عام فہم حکمتوں اور سائنسی دلائل کے ذریعے ثابت کیے جائیں، ورنہ خود ایک مسلمان اسلامی احکام سے مطمئن نہیں ہو سکتا اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگتا ہے چہ جائے کہ غیر مسلموں کو ہم مطمئن کر سکیں جیسا کہ طلاق ثلاثہ کا معاملہ دیکھا جا سکتا ہے۔ عام فہم حکمتوں اور سائنسی دلائل کے ذریعے کسی اسلامی حکم کے اثبات کی ایک جھلک دیکھیے، چناں چہ مشہور مسئلہ ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض، جب کہ اس عورت کی عدت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، چار ماہ دس دن ہے، اس میں مضمر حکمت کے بارے میں مولانا ساجد علی مصباحی صاحب سہ ماہی سنی پیغام میں شائع اپنے ایک تحقیقی مضمون میں لکھتے ہیں: ”یہ دونوں جواب سنتے ہی تحقیقی مزاج رکھنے والے کے دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام میں دونوں عورتوں کی عدت کے درمیان فرق کیوں ہے؟

اب اگر جدید دَور کے اعتبار سے اس کی حکمت بیان کی جاتی ہے تو سائل کے دل میں اسلام کی عظمت و رفعت مزید بڑھ جاتی ہے اور وہ احکام اسلام سے دور ہونے کے بجائے قریب تر ہوتا نظر آتا ہے... ”ماہر جینیات Embryologists نے یہ انکشاف کیا ہے کہ مسلم خاتون دنیا کی سب سے پاک دامن خاتون ہے۔ انھوں نے مزید یہ بھی بتایا کہ ایک طلاق شدہ مسلم خاتون کو اسلامی شریعت کے مطابق تین ماہ اور وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو، اسے چار ماہ دس دن تک دوسرے کسی شخص سے رابطہ نہیں قائم کرنا چاہیے، اس مدت کو ”عدت“ کہتے ہیں۔

جدید سائنس نے یہ واضح کیا ہے کہ مرد کا imprint water جس میں ۶۲٪ فی صد پروٹین ہوتا ہے، وہ ہر شخص میں اس طرح مختلف ہوتا ہے جیسے انگلیوں کے پوروں کے نشان۔ یہ ہر شخص کا پرسنل کوڈ ہوتا ہے اور ایک خاتون کا جسم ایک کمپیوٹر کی طرح ہے جس میں اگر دوسرا کوڈ فوری طور پر داخل ہو جائے تو وائرس پھیل جاتا ہے جو مختلف متعدّی بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

سائنس یہ بھی کہتی ہے کہ پہلے حیض کے ایام میں طلاق شدہ خاتون اپنے جسم سے ۳۲٪ فی صد سے ۳۵٪ فی صد، دوسرے پیریڈ میں ۶۷٪ فی صد تا ۷۲٪ فی صد اور تیسرے ماہ میں ۹۹٪ فی صد مرد کا imprint water اپنی بچے دانی سے خارج کرتی ہے۔ اس کے بعد اگر نیا imprint water اس کے بدن میں داخل ہو تو نسل بغیر کسی حرج کے رواں دواں ہوگی۔ فاحشہ عورتیں اسی لیے معاشرے کا ناسور بننے میں فعال کردار ادا کرتی ہیں، کہ ان کے پاس یہ احتیاط نہیں ہوتی ہے۔

بیوہ کے لیے یہ مدت اس لیے بڑھائی گئی کہ اس کا سابقہ دکھ اور ذہنی تناؤ زیادہ ہوتا ہے، اس صورت حال کے پیش نظر اس کی کوکھ سے imprint water کا خروج وقت لیتا ہے؛ اس لیے اسلام اسے چار ماہ دس دن گزارنے کا حکم دیتا ہے۔

ماہر جینیات نے امریکہ میں مقیم افریقن مسلم خواتین پر تجربہ کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ غیر مسلم خواتین چوں کہ عدت کے ایام نہیں گزارتیں؛ اس لیے ان کی کوکھ میں ایک سے زائد imprint water مل

جاتے ہیں۔اسی تجربہ کی بنا پرانھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صرف وہ مسلم خواتین جو اللہ جل شانہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہیں،ان ہی کی کوکھ نسل انسانی کے لیے بابرکت ثابت ہوتی ہے اور نسب خلط ملط ہونے سے محفوظ رہتا ہے"۔(روزنامہ انقلاب اردو،وارانسی ایڈیشن،۲۲رستمبر ۲۰۱۶ء)

اگر یہ تحقیق وبیان درست ہے تو ہم اس کے ذریعہ مخاطب کو عدت کے اختلاف کی وجہ سائنسی طور پر بخوبی سمجھا سکتے ہیں اور اگر یہ خلاف واقع ہے تو پھر ہمیں اس کی طرف توجہ دینے اور اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ مذہب سے بے زار لوگوں کو بھی ہم اس کی حکمت سمجھا سکیں۔

اس کے بعد ایک شبہے کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ احکام اسلام سائنسی توجیہات کے محتاج نہیں ہیں،لیکن موجودہ حالات میں جب کہ مسلمان خصوصًا نوجوان احکام اسلام کے اسرار ورموز سمجھنا چاہتے ہیں،تو اس صورت میں اگر سائنسی توجیہات وتشریحات کے ذریعہ ان احکام کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی جائے تو ہمارے خیال میں مسلم نوجوانوں کے ساتھ دوسرے مذہب کے ماننے والے بھی اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔"(سہ ماہی سنی پیغام،شمارہ:۳،ص:۳۸)

تاریخ و سیرت: مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور فارغین کے لیے یہ بات کسی المیہ سے کم نہیں کہ ہم اسلامی اسکالرز اور نائبین مصطفی ﷺ کہے جاتے ہیں مگر ہمیں نہ صحیح اسلامی تاریخ کا علم ہوتا ہے اور نہ سیرت وکردار مصطفی علیہ التحیۃ والثنا سے آگاہی۔اس کا سبب ذاتی ذوق مطالعہ کا روبہ زوال ہونا ہے؛اس لیے تاریخ و سیرت کو بھی ہمارے نصاب کا جز ہونا چاہیے تاکہ خواہی نخواہی ہمارے طلبہ ان مضامین کو پڑھیں اور کسی حد تک انھیں ان کی معلومات رہے۔

اخلاق و تصوف: مدارس اسلامیہ کا ایک دور ایسا بھی تھا کہ جب مدارس کی فضا اور یہاں کا ماحول بذات خود طلبہ کے اخلاق وکردار کی عملی تربیت کرتا تھا،لیکن موجودہ مادیت زدہ وقت اور دنیا کے رنگین ماحول نے جہاں ہر سمت اخلاق و کردار کی پستی کی راہیں ہموار کیں وہیں مدارس کے ماحول کو بھی متاثر کیا،ہم اہل سنت و جماعت کے مدارس کا حال کسی سے ڈھکا چھپا نہیں،یہاں تک سنا گیا کہ سنی مدارس میں علم تو ہے مگر عمل نہیں۔ہمیں اس جانب خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ عمل کی دنیا بھی ہم سے آباد رہے اور اس کے لیے ہمیں اخلاق وتصوف کے عنوان کو داخل نصاب کرنا ہوگا۔

مطالعۂ ادیان وفرق: چوں کہ نصاب مدارس کا ایک مقصد "اسلامی مآخذ،اسلامی تاریخ،سیرت رسول اکرم ﷺ،شعار اسلام اور اہل سنت کے عقائد و معمولات پر غیروں کی جانب سے ہونے والے حملوں کا جواب دینے کی قوت پیدا ہو"بھی ہے۔اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ غیر مذاہب وادیان کون ہیں جو براہ راست اسلام سے برسرپیکار ہیں،ان کے عقائد ونظریات اور مراسم و معمولات کیا ہیں؟اور ان کی جانب سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کیا ہیں؟اس کے ساتھ ہی بنام مسلمان جو فرقے موجود ہیں،ان کے مخصوص بنیادی نظریات کیا ہیں جن کی بنیاد پر فرقے کے طور وہ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں؟ظاہر سی بات ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک موضوع بنام "مطالعۂ ادیان وفرق" کا اضافہ کیا جانا چاہیے اور میرے خیال میں فی زمانہ اس کی اشد ضرورت بھی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے کتب بینی اور ذاتی مطالعے کا ذوق کم ہوا ہے تب سے خصوصا طلبہ اپنی نصابی کتب میں بھی صحیح توجہ نہیں دے پاتے تو ان سے کیا امید کی جائے کہ وہ ایسے مضامین کی طرف توجہ کریں گے۔

اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ " مسابقہ حفظ حدیث" میں شرکت کا موقع ملا جس میں حفظ حدیث کے ساتھ حدیث کے مختلف زاویوں پر بھی گفتگو ہوتی تھی۔ممتحن صاحب نے رفع یدین کی حدیث سننے کے بعد جب فرمایا کہ رفع یدین کے بارے میں گمراہ فرقوں کا اختلاف بیان کیجیے تو خامسہ اور سادسہ تک کے طلبہ یہ کہتے سنے گئے کہ **دیوبندی وہابی** اسے ضروری قرار دیتے ہیں(اسی جیسے الفاظ تھے)بتانا یہ ہے کہ شاید ایسا جواب دینے والے طلبہ کے ذہن میں یہ بات رہی ہوگی

کہ دیوبندی اور وہابی دونوں ایک ہی جماعت اور گروہ ہیں حالاں کہ ظاہر ہے کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ابتدائی درجوں کی کتابیں آسان اور مادری زبان میں شامل کی جائیں: اس امر پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ابتدائی درجوں میں جو کتابیں شامل نصاب کی جائیں وہ مقامی اور مادری زبان میں ہوں تاکہ طلبہ ابتدائی اصول و قوانین احسن انداز میں سمجھ سکیں اور ان کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ مثلاً درس نظامی کی کتب متوسطات کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے عربی زبان نہایت ضروری ہے اور ہمارے نصاب میں عربی نحو و صرف اور ادب کے لیے جو بنیادی کتابیں داخل نصاب ہیں وہ فارسی زبان میں ہیں۔ یہاں تین چیزیں ہیں، اول عربی سیکھنا ہے، ثانی پڑھائی جانے والی کتابیں فارسی میں ہیں اور ثالث پڑھنا اردو میں ہے۔ گویا ایک اجنبی زبان سیکھنے کے لیے دوسری اجنبی زبان کا سہارا لیا گیا۔ یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے کسی عربی شخص کو اردو زبان سکھانے کے لیے چینی زبان میں لکھی کتابیں پڑھائی جائیں۔ ایسی صورت میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا اہل علم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

مذکورہ امور کے علاوہ تجوید و قراءت، عربی محادثہ، انگریزی محادثہ، کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور مضمون نگاری وغیرہ کے اضافے کے بارے میں بھی کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر راقم انھیں قلم انداز کر رہا ہے کیوں کہ اب تقریباً بیشتر مدارس میں (اگرچہ برائے نام ہی مگر) ان امور کا التزام کیا جا رہا ہے۔

حل و علاج: علامہ محمد احمد مصباحی صاحب لکھتے ہیں: "تدوین نصاب کے سلسلہ میں کثیر اخراجات کا مسئلہ درپیش ہوگا جو چند باحوصلہ اور ہم مزاج مدارس کے اشتراک عمل سے حل ہو سکتا ہے۔ پیش قدمی اور نمائندگی و نگرانی کے لیے کسی ایک ادارہ کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد عملی اقدام فوراً کسی ایک شخص یا متعدّد اشخاص کے سپرد کرنا ہوگا۔" (رہنمائے علم و عمل، ص:۲۳)

مگر راقم کا حقیر مشورہ یہ ہے کہ اب از سر نو چند دماغوں کو اپنی انفرادی یا اجتماعی انرجی صرف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، تنظیم المدارس کے تحت تیار کردہ جدید نصاب جو الجامعۃ الاشرفیہ سمیت مختلف اداروں میں رائج ہے، اسی نصاب کو اپنے اپنے مدارس میں نافذ کیا جائے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ کثیر دماغوں کو اپنی انفرادی یا اجتماعی انرجی صرف کرنے اور کثیر مالی اخراجات کے درپیش مسئلے سے نجات ملے گی۔ ہاں! مختلف مقامات کے لحاظ سے اس نصاب میں جزوی ترمیم کی جا سکتی ہے مثلاً نیپالی مدارس میں اس نصاب کو نافذ کیا جائے تو تاریخ میں "تاریخ ہند" کے بجائے "تاریخ نیپال" پر مشتمل کتاب شامل کی جائے۔ جس کے لیے مفتی محمد رضا مصباحی صاحب کی حالیہ تصنیف "نیپال میں اسلام کی تاریخ" کے پہلے دو ابواب یا مولانا صفی اللہ گلاب پوری صاحب کی عنقریب شائع ہونے والی کتاب "آئینۂ نیپال" شامل کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح سیاست کی جو کتابیں شامل نصاب ہیں اسی طرز پر نیپال کے مبادیِ سیاسیات پر مشتمل کتابیں مرتب کر کے داخل کی جائیں وغیرہ۔ نیز سب سے اہم گزارش یہ کہ ہر ملک والے اپنے ملک کی حکومتی اور قومی زبان کو ضرور لازم قرار دیں۔

مذکورہ نصاب کی کچھ خصوصیات: اس تنظیم المدارس کے تحت تیار کردہ جدید نصاب میں کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ یا تفسیر کے ذریعہ پورے قرآن کریم کا اجمالی یا قدرے تفصیلی درس و مطالعہ ہو جائے۔ یہ مشکوۃ المصابیح، صحاح ستہ اور ان کے علاوہ متعدّد کتب احادیث کے بہت جامع اور نفیس انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس نصاب میں مشکاۃ سے کتاب الرقاق اور تصوف کی کچھ کتابیں باضابطہ داخل ہیں۔ نورالایضاح سے طہارت و عبادات اور قدوری سے بقیہ فقہی ابواب کو شامل کیا گیا ہے، کثیر جزئیات سے آگاہی کے لیے ہدایہ کے ساتھ بہار شریعت کا مطالعہ لازم کیا گیا ہے، اصول فقہ کی کامل ابحاث کی معلومات کے لیے پوری اصول الشاشی داخل درس ہے، جدید فقہی مسائل اور نئے افکار و مذاہب سے آشنائی کے لیے "قضایا فقہیۃ معاصرۃ" اور "افکار زائغۃ معاصرۃ" زیر ترتیب ہیں، تدوین و تاریخ قرآن، حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ اور تاریخ مذاہب و ملل وغیرہ کو حسب گنجائش جگہ دی گئی ہے، عربی اور انگریزی دونوں کے ادب و انشا کو تمام جماعتوں میں لازم کیا گیا ہے اور نحو و صرف اور منطق کی

ابتدائی کتابیں اردو میں شامل کی گئی ہیں تاکہ مبتدی طلبہ کے ذہن پر فن کے ساتھ ایک دوسری زبان کا کوئی بار نہ رہے اور اصل مقصود کم سے کم وقت میں وہ بہ آسانی حاصل کر سکیں۔اس کے علاوہ مزید خصوصیات ہیں جنھیں نصاب دیکھنے کے بعد سمجھا جاسکتا ہے۔

جدید علم کلام اور سائنس کی کتابیں اس نصاب میں بھی نہیں ہیں تو اس کے لیے یہ صورت ممکن ہے کہ چند منتخب اداروں کے اساتذہ کو یونیورسٹی میں بلایا جائے اور چھ ماہ یا اس سے زائد کا تربیتی کورس کرایا جائے، جس میں اس انداز سے سائنس کی تعلیم دی جائے کہ مختصر سی مدت میں آسانی کے ساتھ اساتذہ اس علم پر قابو پاسکیں اور ثانوی درجات کے طلبہ کی اس سلسلے میں صحیح رہنمائی کر سکیں یا بروقت اس کا انتظام کسی یونیورسٹی کے ذمے کر دیا جائے کہ وہ اپنے اساتذہ بھیجیں یا جن اداروں میں سائنسی علوم کا نفاذ ممکن ہو، اس کے اطراف کے مسلم کالجز کے اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں۔اگر وہ یومیہ اس کی ذمہ داری قبول نہ کر سکیں تو ہفتہ میں تین یا چار دن وہ اپنی خدمات پیش کریں، اس صورت میں ہم سب کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔(ملخصا دینی مدارس اور عصر حاضر کے تقاضے، ص:۱۵۲، ۵۳)

آئیے ! اب میں آپ حضرات سے مدارس کے نظام تعلیم کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔اولا تو میں مدارس کے ناظمین و مدرسین خصوصا نیپالی مدارس کے اہل کاروں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ علم دین کی بہار آپ ہی کی سعی جمیل کی مرہون منت ہے مگر ساتھ ہی یہ تکلیف دہ خبر آپ تک پہنچانے کی گستاخی کر رہا ہوں کہ مدارس دینیہ کا نظام تعلیم پستی، ابتری اور پراگندگی کا شکار ہے خصوصا مدارس نیپال کا حال بتانے کے لیے وہیں سے یوپی میں حصول تعلیم کے لیے آنے والے بعض طلبہ کی باتیں پیش کرتا ہوں۔

ایک طالب علم نے کہا کہ یہاں (یوپی) آنے کے بعد پتہ چلا کہ اب تک ہمارے اساتذۃ نے ہمیں پردے میں رکھا مگر آج اس کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی، مزید ایک نے یہ کہا کہ اب احساس ہوا کہ نیپال میں ہمارے اساتذہ طلبہ کی زندگی برباد کر رہے ہیں وغیرہ۔ہم اپنے علما کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں شاید ان طلبہ نے اپنی کوتاہی چھپانے کے لیے ایسی باتیں کہی ہیں۔البتہ ان تمام کے باوجود اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ واقعی مدارس اسلامیہ کا نظام تعلیم اصلاح و ترمیم کا تقاضا کر رہا ہے۔وہ تقاضے کیا ہیں ذیل میں اس کی ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

(ا) باصلاحیت اور لائق اساتذہ کی تقرری: نظام تعلیم کی بہتری کا سب سے اہم ذریعہ باصلاحیت اور لائق اساتذہ کی فراہمی ہے۔تعلیم کے لیے ایسے اساتذہ کی تقرری انتہائی ضروری ہے جن میں علمی و تدریسی قابلیت و صلاحیت اور افہام و تفہیم کے جوہر ہوں، ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق مثلاً اخلاص و للّٰہیت اور تقوی و طہارت جیسے اوصاف حمیدہ و جمیلہ کے جامع ہوں۔اس سے جہاں طلبہ کے اندر علمی صلاحیت پروان چڑھے گی وہیں وہ ان اوصاف کے پیکر بھی بنیں گے؛ اس لیے کہ جس طرح گھر میں والدین اپنے بچوں کے لیے نمونۂ عمل ہوتے ہیں اسی طرح مدارس میں اساتذہ طلبہ کے لیے آئیڈیل اور رول ماڈل ہوتے ہیں۔ اساتذہ کے عادات و اطوار بعض اوقات غیر شعوری طور پر بھی طلبہ کے اندر منتقل ہوتے ہیں۔اب اگر اساتذہ اچھی سیرت و کردار کے حامل ہوں گے تو یقینا طلبہ کے اندر بھی اچھی سیرت منتقل ہوگی ورنہ معاملہ برعکس ہونے پر نتیجہ بھی برعکس آسکتا ہے۔

مگر آج اساتذہ کی تقرری کا معیار ہی بدل چکا ہے۔جو شخص اپنی تقرری کے لیے زیادہ سے زیادہ رشوت دے یا کمیٹی اور صدر المدرسین کی ہاں میں ہاں ملائے اور تابع رہے یا انتظامیہ کی ہر اچھی اور بری بات کی تائید کرے یا (جیساکہ بعض رفقائے جامعہ سے معلوم ہوا کہ) صدر المدرسین سے زیادہ قابل نہ ہو خواہ اس کے اخلاق و کردار اور صلاحیت و صالحیت کیسی ہی ہوں، اگر مذکورہ بالا اوصاف کسی کے اندر ہوں تو وہ تقرری کے قابل سمجھا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ایسی صورت میں مدارس سے اچھے اور باصلاحیت طلبہ کی امید کرنا املی کے درخت سے آم کی امید کرنے جیسا ہے، بلکہ بعض مدارس کے اساتذہ کے سوقیانہ انداز تخاطب، جاہلانہ سلوک اور گالی گلوج سن اور دیکھ، انتہائی افسوس

ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ بعض مدارس میں جانا پسند نہیں کرتے، نہ وہاں طلبہ کی اصلاح ہوپاتی ہے اور جو تعداد پہلے سے ہوتی ہے اس میں بھی کمی واقع ہونے لگتی ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ جو خود اصلاح کا محتاج ہو وہ دوسروں کی اصلاح کا کام کیسے انجام دے سکے گا؟

(۵) طریقۂ تدریس: بہتر تعلیم کے لیے طریقۂ تدریس پر بھی غور کرنا نہایت ضروری ہے کہ کون سی کتاب کیسے پڑھائی جائے؟ طریقۂ تدریس کے حوالے سے راقم دو باتیں عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے:

پہلی بات یہ کہ تدریس کے وقت ہمیں اپنے سامنے موجود طلبہ کی ذہانت و استعداد اور پڑھائی جانے والی کتاب کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اسباق کی تقریر نہ اتنی مختصر ہو کہ اعلی ذہن کے طلبہ بھی سمجھنے میں دشواری محسوس کریں اور نہ اتنی تفصیلی کہ ادنی طالب علم بھی اکتاہٹ محسوس کرے۔ اس کے لیے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری تقریر اوسط درجے کی ہو، نہ بالکل مختصر ہو اور نہ ہی بالکل مفصل۔ اسی کے ساتھ اس بات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ہم کس فن کی کتاب اور کس مقصد سے پڑھا رہے ہیں؟

اس کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ عام طور پر ہمارے مدارس میں فن نحو کی بڑی ہی اہم کتاب "کافیہ ابن حاجب" پڑھائی جاتی ہے اوراساتذہ کافی دلچسپی سے پڑھاتے ہیں مگر اسباق کی تقریر اپنے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ اس قدر طویل ہوتی ہے کہ بعض اوقات صرف ایک سطر میں پورا ہفتہ گزر جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نحو کے بجائے کسی اور فن کی کتاب پڑھائی جارہی ہے۔ ہمیں آج بھی یاد ہے کہ جب ہم نے کافیہ پڑھنا شروع کیا تھا تو صرف "کلمہ" کی تعریف میں تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا اور بہت سارے علمی فوائد کے ساتھ ایک علمی فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ علم نحو کی غرض و غایت میں مزید وسعت ہونی چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں عملی (پریکٹیکل) تعلیم کا انتظام نہیں۔ تمام اسباق صرف ہاتھ کی انگلیوں پر ہی سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بہ استثناے چند بلیک بورڈ اور وائٹ بورڈ کی مدد بھی نہیں لی جاتی۔ حالاں کہ کثیر احکام کی تفہیم میں اس عملی طریقے کو بڑا دخل ہے جیسے تجہیز و تکفین اور حج کے بیشتر احکام اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی تفہیم کے لیے پریکٹیکل کا سہارا لیا جائے۔ اس مقالے کے سننے اور پڑھنے والوں میں امید ہے کہ کچھ قاری کا شمار طبقۂ علما میں ہوتا ہوگا۔ وہ خود اپنے دل سے پوچھے کہ کیا ان احکام و مسائل کی عمدہ تفہیم کے لیے پریکٹیکل کی ضرورت ہے یا نہیں؟ شاید یہی وجہ ہے کہ اب حج تربیتی کیمپ میں ہمارے علما لوگوں کو عملاً حج کی تربیت فرماتے ہیں کیوں کہ اس طریقے سے جہاں مسائل و احکام کی تفہیم و ذہن نشینی آسان ہے وہیں دیرپا بھی ہے۔

مگر افسوس کہ مدتوں سے ہمارے دینی اداروں میں ان مسائل کی تفہیم تصور کی دنیا میں کی جاتی رہی اور آج کی ترقی یافتہ بیسویں صدی میں بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ عموماً فقہ و افتا کی مثال طبابت سے دی جاتی ہے مگر جب اسی فقہ و افتا کے احکام کی تفہیم کی باری آتی ہے تو یہ مثال اور تصور نہ جانے کس دنیا میں گم ہو جاتی ہے۔

(۶) رفتار اور مقدار میں اعتدال: مدارس میں یہ عام مشاہدہ ہے کہ اساتذہ ہر کتاب کے ابتدائی اسباق میں کافی طویل تقریر فرماتے ہیں اور بعض اوقات درجے کی ذہنیت سے بڑھ کر اعلی ابحاث پیش کرتے اور داد تدریس دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ امر درپیش ہوتا ہے کہ پورے ۴۵/ منٹ سے ایک گھنٹے تک کے پیریڈ میں کبھی آدھا صفحہ تو کبھی پون صفحہ، جس کا لازمی نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ممکنہ ایام تعلیم کا بیشتر حصہ اپنے نصاب کی رفتار و مقدار میں کافی سست روی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مقدار تعلیم کی تکمیل کے لیے راجدھانی ایکسپریس پر سوار ہو جاتے ہیں اور نان اسٹاپ سفر شروع ہو جاتا ہے، پھر کیا! جتنے مقام و وقت میں کبھی ایک صفحہ کی تقریر نامکمل رہ جایا کرتی تھی اتنے ہی مقام و وقت میں چار چار بلکہ پانچ صفحات کا درس بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ ایسا کرنے کا نفع اور نقصان محتاج بیان نہیں۔ مدارس کے ذمہ داران اور صدر المدرسین کو اس جانب خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے بلکہ ان کا منصبی فریضہ اور

ذمہ داری ہے کہ ایسے سنگین مسئلے کا سخت نوٹس لیں جس کی وجہ سے براہ راست نظام تعلیم درہم برہم ہو، مدرسین، صدر المدرسین اور ذمے داران اگر اپنے اس فرض منصبی سے پہلوتہی کرتے ہیں تو پھر ''إِذَا ائْتُمِنَ خَانَ'' اور ''أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ'' کی پکڑ سے بچنے کی صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

اس سے نجات پانے کے لیے یہ طریقہ آزمایا اور اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اساتذہ ہر شش ماہی کی ابتدا میں ممکنہ ایام تعلیم کا حساب لگائیں، پھر کتاب کے صفحات کا اندازہ کر کے ہر دن پر مناسب مقدار میں صفحات کی تقسیم فرمالیں، مثلاً شش ماہی اول میں ستر دن تعلیم کا امکان ہے اور جو کتاب پڑھانی ہے اس کے کل صفحات سو ہیں تو ہر دن ڈیڑھ صفحے کا سبق ہو۔

(۷)اچھے طلبہ کا انتخاب: عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ مدارس میں داخلے کا کوئی معیار نہیں ہوتا اور ہر قسم کے خواہش مند کا داخلہ کر لیا جاتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ خواہش مند طالب علم داخلے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر ہے تو مطلوبہ درجے کے لائق ہے یا کسی اور درجے کے؟ اس طرح سے بغیر کسی امتیاز و معیار کے داخلہ لینے کا بظاہر یہ فائدہ تو ہے کہ ہمارے دل کو یہ تسلی رہتی ہے کہ ہمارے ادارے میں اتنے طلبہ پڑھتے ہیں۔ حالاں کہ اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اتنے طلبہ پڑھتے ہیں یا صرف پڑے رہتے ہیں؟ مگر اس کا یہ نقصان سامنے آتا ہے کہ اساتذہ کی محنت اور کوششیں رائیگاں ہو جاتی ہیں، طالب علم ناکارہ رہ جاتا ہے اور جہاں کہیں جاتا ہے، ادارہ، اساتذہ اور خود اپنی ذات کی جگ ہنسائی کا سبب بنتا ہے۔

ایسا نہیں کہ یہ میرا اپنا خیال ہے، بلکہ روایتیں اس جانب ہماری رہنمائی کر رہی ہیں کہ تعلیم و تعلم کے لیے اہل کا انتخاب کیا جائے جیسا کہ المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی میں ہے: عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «أَكْثِرُوا الْعِلْمَ، وَلَا تَضَعُوهُ فِي غَيْرِ أَهْلِهِ، كَقَاذِفِ اللُّؤْلُؤِ إِلَى الْخَنَازِيرِ»

اسی میں ایک اور روایت ہے: عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَطْرَحُوا الدُّرَّ فِي أَفْوَاهِ الْكِلَابِ» يَعْنِي: الْفِقْهَ. (المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی، ص:۵۷۴، دار الفکر، بیروت)

ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں: نا مُجَاهِدٌ، " حَدَّثَنِي الشَّعْبِيُّ، بِحَدِيثِ الْحِمَارِ الَّذِي عَاشَ بَعْدَ مَا مَاتَ، فَرَوَيْتُهُ عَنْهُ، فَأَتَاهُ قَوْمٌ فَسَأَلُوهُ عَنْهُ، فَقَالَ: "مَا حَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَطُّ، فَأْتَوْنِي، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَوَمَا حَدَّثْتَنِي؟ فَقَالَ: «أُحَدِّثُكَ بِحَدِيثِ الْحُلَمَاءِ وَتُحَدِّثُ بِهِ السُّفَهَاءَ» (الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، ص:۳۳۵، مکتبۃ المعارف، ریاض)

(۸) ٹی سی طلب کا مطالبہ: راقم کی معلومات کی حد تک تقریباً کسی بھی مدرسے میں ٹرانسفر سرٹیفکٹ (تبدیلیٔ مدرسہ کا تصدیق نامہ) نہیں لیا جاتا جس کا غلط اثر تعلیم پر پڑتا ہے۔ وہ یوں کہ جب مدرسے میں روشن مستقبل کے لیے کسی آرام پرست اور کاہل طالب علم پر کچھ سختی برتی جاتی ہے تو فوراً ہی وہ ایک مدرسے کو خیر آباد کہہ کر کسی دوسرے مدرسے کی تعداد کو آباد کرتا ہے اور داخلہ لے لیتا ہے، پھر جب وہاں بھی گزشتہ صورت حال کا سامنا ہوتا ہے تو کسی تیسرے مدرسے میں وقت گزاری کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس طالب کا دور تحصیل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی میں گزر جاتا ہے اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ادارے کی بدنامی ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ایسے طالب علم سے جب یہ سوال ہوتا ہے سابقہ مدرسے کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو دوٹوک اس کا یہی جواب ہوتا ہے کہ وہاں تعلیم صحیح نہیں تھی وغیرہ وغیرہ۔ اس بات کا راقم کو مشاہدہ اور تجربہ ہے۔

اس مقام میں راقم مدارس کے ذمے داران سے بھی عاجزانہ اور مؤدبانہ گزارش کرتا ہے کہ اگر کوئی طالب علم نیک نیتی اور اپنے روشن مستقبل کے لیے یا کسی خاص عذر کی بنیاد پر آپ حضرات سے ٹرانسفر سرٹیفکٹ طلب کرے تو آپ بھی اس کی نیک نیتی اور اعذار کی تصدیق کے بعد بغیر کسی دشواری اور خوشامد کے ٹی سی دے دیں تاکہ وہ اپنے

تعلیمی سفر میں کسی طرح کی رکاوٹ محسوس نہ کرے۔ یہ بات اس لیے عرض کردی کہ اکثر ذمہ داران شاید اس کام کے لیے آمادہ نہ ہوں۔

(۹) طلبہ سے نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) بنوانے اور محنت کرانے کا اہتمام: ہم نے کتابوں میں کافی پڑھا ہے کہ قدیم زمانے میں اساتذہ طلبہ کو اگلے دن کا سبق مطالعہ کرنے (مراد مصنف تک پہنچنے) کی ترغیب دیتے تھے اور طلبہ بھی مطالعہ کرکے شامل درس ہوا کرتے تھے مگر آج رسم اذاں تو ہے لیکن روح بلالی نہیں، طلبہ مطالعہ تو دور، عبارت خوانی کے لیے کالے کالے حروف تک دیکھ کر نہیں آتے اور جب عبارت خوانی کی باری آتی ہے تو کسی پاگل سائیکل سوار کی مانند منہ چلانا شروع کردیتے ہیں، اگر سلامتی کے ساتھ بڑھتے رہے تو ٹھیک ورنہ ٹھوکر مارنے پر بھی کوئی مواخذہ ہونے والا نہیں، اور اسباق کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کتاب میں دلچسپی ہوتی ہے یا جس کتاب کے استاذ صاحب سخت گیر ہوتے ہیں اس کے اسباق یاد ہوتے ہیں اور بقیہ کی طرف نظر بھی نہیں کی جاتی، جس کا نقصان انھیں آنے والے زمانے سمجھ میں آتا ہے مگر اس وقت تک کافی دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

اس سے نجات کے لیے (ان بڑے مدارس میں نہ سہی جہاں طلبہ ہزاروں کی تعداد میں ہوں) کم از کم چھوٹے مدارس میں ابتدائی درجوں کے طلبہ پر اساتذہ کو خصوصی توجہ دینے اور محنت کرانے کا اہتمام کرنا چاہیے، انھیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے اور نگرانی بھی کرنی چاہیے کہ وہ تمام کتابوں کے لیے ایک نظام الاوقات تیار کریں، تمام کتابوں کے لیے آسان اور سخت ہونے کے اعتبار سے ایک مناسب وقت متعیّن کریں اور اس وقت میں اسی کتاب کو پڑھیں جس کا وقت ہو تاکہ تمام کتابوں کے اسباق یاد کرنا آسان ہو۔ مدارس میں منصب تدریس سے منسلک اساتذہ کو اس بات کا بارہا مشاہدہ ہوتا ہوگا کہ طلبہ عموماً منطق و فلسفہ اور ادب و انشا کے اسباق میں دلچسپی نہیں لیتے جس کا خمیازہ انھیں بعد میں اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کام کے لیے اس بات کی اشد حاجت ہے کہ اساتذہ طلبہ سے زیادہ خدمت نہ لیں بلکہ انھیں زیادہ سے زیادہ وقت تعلیم میں صرف کرنے کا موقع فراہم کریں، خصوصاً چھوٹے مدارس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ طلبہ سے گھنٹوں خدمت لی جاتی ہے۔ یقیناً اساتذہ کی خدمت ایک بڑی سعادت ہے مگر ایسا نہ ہو کہ مدرسہ میں آنے کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے۔ پیشگی معذرت کے ساتھ یہاں اس بات کا افسوسانہ اظہار کر رہا ہوں کہ جو اساتذہ طلبہ سے گھنٹوں خدمت لیتے رہتے ہیں جب ان کے جگر کے ٹکڑوں سے کوئی استاذ صاحب تھوڑی بہت خدمت لیتے ہیں تو نہ جانے ان کے دل میں ناپسندیدگی کی کیفیت کیوں پیدا ہوجاتی ہے؟

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ خواہی نخواہی ہر روز اپنے اسباق یاد کریں گے اور اس کا اعادہ بھی ہوتا رہے گا ورنہ جن مدارس میں طلبہ کی تعلیمی نگرانی کا اہتمام نہیں ہوتا وہاں عمومی طور پر طلبہ صرف امتحانات میں کامیابی کے لیے ہی کتابیں اٹھاتے ہیں اور صرف منتخب حصوں، خلاصوں اور شرحوں سے کام چلایا جاتا ہے بلکہ چالیس سے تیس فیصد طلبہ صرف پاس ہونے بھر تیاری کرکے امتحانات پاس کرنے کو ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ گویا تعلیم کا اصل مقصد اور بنیادی مقصود نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور امتحانات ہی تعلیم کا مقصود اصلی بن جاتے ہیں۔

امتحانات: عمدہ نظام تعلیم کی جب بات ہو تو امتحانات کا ذکر آنا تو لازمی ہے؛ اس لیے کہ امتحانات نظام تعلیم کی عمدگی اور بہتری کے لیے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کا کوئی بھی تعلیمی ادارہ ایسا نہ ملے گا جہاں امتحان کا نظام قائم نہ کیا گیا ہو، یہ اور بات ہے کہ کہیں یہ نظام انتہائی منظم اور مضبوط شکل میں موجود ہے تو کہیں نسبتاً غیر منظم اور کمزور، بلکہ یہ ایک زمینی سچائی ہے کہ اسلامی تعلیمی اداروں یا غیر اسلامی تعلیمی اداروں میں بعض طلبہ صرف امتحان کے خوف سے ہی پڑھتے ہیں، اگر نظام امتحان ختم کردیا جائے تو شاید وہ کبھی کتاب کھول کر بھی نہ دیکھیں۔ اس لیے تمام تعلیمی اداروں کو نظام امتحان میں کسی بھی طرح کی کوتاہی سے پرہیز کرنا چاہیے، امتحانات کے ذریعہ ہی اساتذہ کو اپنی کوششوں کے بارآور ہونے یا نہ ہونے نیز رفتار کار اور طریق تعلیم کے کارآمد ہونے کا صحیح ادراک ہوتا ہے، اسی طرح طلبہ کو اپنی صلاحیت و قابلیت اور محنت کے بارے

میں صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملتا ہے۔

تعلیمی اداروں کو نظام امتحان میں کچھ اصلاحات کرنے کی ضرورت ہے ۔ **اولاً** یہ کہ تعلیمی اداروں خصوصا مدارس میں یہ دیکھ گیا ہے کہ تقریری امتحان (Oral Exam) کا کوئی خاص نظم وضبط نہیں ہوتا، کسی طالب علم سے گھنٹوں سوالات کیے جاتے ہیں تو کسی طالب علم کو پانچ منٹ بھی برداشت نہیں کیا جاتا، اسی طرح نمبر دینے میں بھی عموما رول نمبر ملحوظ رکھنے کا احساس ہوتا ہے یعنی رول نمبر کے اعتبار سے کم اور زیادہ نمبرز دے دیے جاتے ہیں ۔ اسی وجہ سے طلبہ میں بھی تقریری امتحان کی تیاری کا ماحول نہیں پایا جاتا ہے ۔ تقریری امتحان کے نظام کو منظم و مضبوط کرنے اور طلبہ کو ان کی تیاری پر مجبور کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ ہر ایک طالب علم سے یکساں تعداد میں سوالات کیے جائیں ، ہر سوال کا ایک مقررہ نمبر ہو، اور جوابات کا لحاظ کرتے ہوئے ہر طالب علم کو اس کی محنت کا صلہ دیا جائے اور رول نمبر کا کچھ بھی خیال نہ کیا جائے تو امید ہے کہ تقریری امتحان بھی ایک منظم صورت اختیار کرے گا اور طلبہ تحریری امتحان کی طرح اس کی تیاری پر بھی مجبور ہوں گے ۔

ثانیاً یہ کہ اب تک مدارس میں یہ طریقہ رائج ہے کہ نتیجۂ امتحان اور رزلٹ زبانی سنا دیے جاتے ہیں یا پھر کسی دیوار یا نوٹس بورڈ پر چسپاں کر دیا جاتا ہے ۔ اس کے برخلاف دنیاوی تعلیمی اداروں میں رزلٹ کارڈز دیے جاتے ہیں جس میں تمام تر تفصیلات موجود ہوتی ہیں، طلبہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو دکھاتے ہیں اور نہ دکھانے کی صورت میں خود والدین رزلٹ دکھانے کا تقاضا کرتے ہیں ۔ مدارس میں بھی یہ طریقہ اب شروع کرنا چاہیے اور طلبہ کو اس بات پر مجبور کرنا چاہیے کہ وہ اپنا نتیجہ امتحان والدین کو دکھائیں ، ساتھ ہی جن طلبہ کا رزلٹ مسلسل خراب آتا ہو ان کے والدین یا سرپرست کو بلا کر ان کے بچوں کی کارکردگی اور کوتاہی سے آگاہ کیا جائے اور ان کے ذریعہ تنبیہ بھی کرائی جائے؛ اس لیے کہ طلبہ اس بات سے خوف کرتے ہیں اور ناپسند بھی کرتے ہیں کہ والدین اور سرپرستوں کے سامنے ان کی کوتاہیوں کا پردہ فاش ہو جائے ، ممکن ہے کہ اس خوف اور تنبیہ کے بعد کچھ طلبہ میں سدھار دیکھنے کو ملے ۔

سندوں کی ترتیب: تقریباً گزشتہ ایک دہائی سے عصری دانش گاہوں کے کچھ پروفیسرز یہ آواز بلند کر رہے ہیں کہ مدارس دینیہ میں بھی عصری علوم کا اہتمام کیا جائے تاکہ ان مدارس سے بھی طلبہ ڈاکٹر اور انجینیر وغیرہ بن کر نکلیں ۔ مجھے ان علم دوست پروفیسرز کی نیت پر قطعاً شک کرنے کا حق نہیں اور نہ میں کرتا ہوں البتہ ان سے اتنا ضرور عرض کروں گا کہ مدارس کے قیام، نظام اور تعلیم کا مقصد ڈاکٹر اور انجینیر بنانا ہے ہی نہیں کہ ان علوم کو نصاب میں شامل کیا جائے بلکہ آپ حضرات کی بارگاہ میں ناچیز یہ عریضہ پیش کرتا ہے کہ آپ اپنے نصاب میں بقدر ضرورت اسلامی تعلیم شامل فرمائیں کیوں کہ بحیثیت مسلمان اسلام نے ہم پر بقدر ضرورت اسلامی تعلیم فرض کیا ہے، لیکن مدارس کے ارباب حل وعقد سے بھی یہ بات عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات مدارس کے سندوں کی ترتیب میں کچھ جدت ضرور لائیں تاکہ ہمارے وہ طلبہ جو فراغت کے بعد عصری دانش گاہوں میں جانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ کسی اضافی امتحان یا بوجھ کا سامنا نہ کریں ۔ اس کے لیے مدارس کے تعلیمی نصاب میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں بلکہ مدارس میں جاری تعلیمی مرحلوں کو ملک کے معاصر تعلیمی مرحلوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے، مثلاً ہم اپنے تعلیمی مرحلوں کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلا مرحلہ اعدادیہ تا رابعہ، اس کی تکمیل کے بعد مولویت کی سند دی جائے جس میں اس بات کی وضاحت ہو کہ یہ سند ٹین کے مساوی ہے ۔ دوسرا مرحلہ خامسہ تا سادسہ، اس کی تکمیل کے بعد عالمیت کی سند دی جائے جس میں اس بات کی صراحت کی جائے کہ یہ سند ٹین پلس ٹو (10+2) کے مساوی ہے ۔ تیسرا اور آخری مرحلہ سابعہ تا فضیلت، اور اس کی سند کو بی اے کے مساوی گردانا جائے ۔

ظاہری و باطنی تربیت: نظام تعلیم خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر تربیت کے بغیر بے مزہ اور نامکمل سا لگتا ہے، تعلیم و تربیت کے درمیان لازم و ملزوم کا رشتہ ہے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو تعلق ایک عمدہ کھانے اور نمک کے درمیان ہوتا ہے وہی ربط و تعلق تعلیم اور تربیت کے درمیان ہوتا ہے ۔ اس لیے مدارس کے ذمہ داران کو

اپنے طلبہ کی تربیت کرنی چاہیے، اسکول میں کم از کم طلبہ کی ظاہری تربیت کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے، ان کے ناخن، بال اور کپڑے وغیرہ پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے اور کسی بھی قسم کی کوتاہی کی صورت میں سرپرستوں کو بلاکر مناسب تنبیہ کی جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مختلف انداز میں تزکیہ و تصفیہ کی تعلیم و ترغیب دی اسی سے متعلق علوم کی تحصیل کرنے والوں پر ان چیزوں کو نافذ کیا جاتا اور انھیں تصفیہ و تزکیہ کا پیکر بنایا جاتا ہے مگر حالات ہمارے سامنے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ باقاعدہ اس کے لیے وقت میں گنجائش نکالی جائے، البتہ اتنا تو کیا ہی جا سکتا ہے کہ اساتذہ دوران درس طلبہ کی طرف نظر کرتے وقت ان کے لباس اور حلیے پر بھی قصداً ایک نظر ڈالیں اور وقتاً فوقتاً کوتاہی پر توجہ دلائیں تاکہ آئندہ وہ اس کا خیال رکھیں۔ آخر اساتذہ کو باپ کا جو درجہ دیا گیا ہے، کیا اس درجے کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم اپنے طلبہ کے ظاہر و باطن کی اصلاح و نگرانی کی کوشش کریں۔ اپنے بچوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح میں ہمیں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تو پھر بھلا یہ طلبہ بھی تو یک گونہ ہمارے بچے ہیں تو ان کے ظاہر و باطن کی اصلاح میں کیوں دقت محسوس ہوتی ہے؟ طلبہ کی عملی و اخلاقی تربیت کے لیے جن باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، ان میں سے بعض کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا باطن سے۔

ظاہر کی تربیت سے متعلق امور: طلبہ کے ظاہر کی تربیت و اصلاح کے لیے جن امور کی جانب توجہ کرنی چاہیے، ان میں طلبہ کا لباس، وضع قطع اور جسم کی صفائی و ستھرائی قابل ذکر ہیں۔ اس کام کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انھیں سنت رسول ﷺ کا پابند بنایا جائے بلکہ سنت کو عادت بنا دیا جائے۔

باطن کی تربیت سے متعلق امور: باطن کی تربیت و اصلاح کے لیے جن امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ہیں تقویٰ و طہارت اور اپنے علم پر عمل۔ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ طلبہ کے اندر تقویٰ و طہارت کا عنصر بدرجہ اتم پایا جائے اور وہ علم کے ساتھ عمل کے بھی پیکر بنیں، خصوصاً نماز کی پابندی کریں، امید ہے کہ یہی نماز انھیں ہر طرح کی برائیوں اور بے حیائیوں سے باز رکھے گی۔

(ص:۴۳....کا بقیہ)

حاصل کلام: ایک طرف تو جلسے کے نام پر اتنے بڑے پیمانے پر چندہ کی وصولی اور پھر غبن اور بدعنوانی دوسری طرف سب سے زیادہ غربت و افلاس کے مارے، بے مکان و بے آشیاں، بے روزگار اور جہالت و ناخواندگی کے دلدل میں نظر آنے والے مسلمان ہی ہیں۔ کیا ہم جلسوں کے سیلاب پر پشتے لگا کے اس کی طغیانی کو کم نہیں کر سکتے؟ اور ان پشتوں پر غریب و نادار مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لیے کوئی لائحہ عمل نہیں تیار کر سکتے؟۔ ان کی تعلیم و تربیت کے ذریعے انہیں ملک کے مین اسٹریم میں روزگار اور ترقی کے مواقع فراہم نہیں کر سکتے؟؟۔ رفاہ عامہ کے لیے کوئی ٹھوس منصوبے نہیں بنا سکتے؟؟؟ میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جلسے ہی نہ ہوں۔ ضرور ہوں لیکن جلسوں کا رنگ ڈھنگ ذرا تبدیل کرنے کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ کم بجٹ میں کارگر اور موثر جلسے منعقد کرنے کی کوشش کی جائے۔ مقررین اور نعت خوانوں کی ایک لمبی فہرست کی بجائے دو چند ڈھنگ کے اہل علم و دانش کو مدعو کیا جائے۔ اور قوم کی اصلاح و فلاح سے متعلق با مقصد اور کارآمد گفتگو کی جائے۔ باقی قوم کی گاڑھی کمائی سے حاصل شدہ رقوم کو قوم کے مستحقین کی فلاح و ترقی کے لیے استعمال کیا جائے۔ دینی تعلیم کے ساتھ اسکول اور کالج کے قیام کی طرف بھی مسلمانوں کو توجہ دینی چاہیے۔ اگر مسلم اسکول کالج قائم کریں گے تو وہاں اسلام کی بھی بود و باش ہوگی ورنہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ذریعے قائم شدہ اسکولوں میں مسلمانوں کے بچے بھی دوسرے مذہب کے آداب واطوار اور ثقافت سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں اور اپنے اسلامی اقدار و روایات سے دوری کے سبب اسے فرسودہ اور قدامت پسند سمجھ کر گریز کرنے لگتے ہیں۔ ملک کے مین اسٹریم میں جگہ بنانے کے لیے مین اسٹریم کی تعلیم بھی ہمیں اپنے نونہالوں کو دینی ہوگی۔ اس کے لیے ہمیں ابھی بہت لمبی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ میں اپنے مقالے کا اختتام خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ رفیق ملت سید نجیب حیدر برکاتی کے ایک سوال پر کر رہا ہوں۔ شعرا کو 15,20,30,40 ہزار ایک ایک رات کا جبکہ ائمہ اور مدرسین کو 3,5,8,10 ہزار ایک مہینے کا وہ بھی وقت پر نہیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

حالات حاضرہ

موجودہ دینی جلسوں کا المیہ

محمد حسین مصباحی

ہند ونیپال میں دینی اجتماعات، جلسے اور کانفرنسوں کا چلن عام ہے۔ ان میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بزرگان دین اور اولیائے کرام کے اعراس کے موقع پر بھی جلسوں کا رواج عام ہے۔ جلسوں کے اغراض و مقاصد پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو دین وسنت کے معاملات سے باخبر کرنا اور انہیں شریعت پر عمل کرنے کی ترغیب دینا دینی جلسوں کے اہم مقاصد ہیں۔ ہند ونیپال میں مسلمانوں کو درپیش معاملات و مسائل پر رائے عامہ ہموار کرنا اور ان کی ذہن سازی بھی مذہبی جلسوں کے ثانوی مقاصد ہیں۔ اب ذرا موجودہ صورت حال پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ جلسوں کے بنیادی مقاصد شاید منتظمین اور حاضرین کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتے۔ آئے دن ہند ونیپال کے کونے کونے میں بڑے بڑے مذہبی جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ بہت پہلے سے قریہ قریہ، شہر شہر جاکر محصلین، چندے کا جوکھم اٹھاتے ہیں جس طرح رمضان میں مدرسوں کے چندے کے لیے ملک کے مختلف خطوں میں گردش کرتے نظر آتے ہیں۔ جس گاؤں میں جلسے کا انعقاد ہونا طے پاتا ہے اس گاؤں کے تمام باشندوں پر ایک لازمی رقم مقرر کی جاتی ہے اور بہر صورت انہیں مقررہ رقم بطور تعاون پیش کرنا ہوتا ہے۔ یہ طریقہ غریب افراد پر سراسر ظلم کے مترادف ہے۔ لیکن چندہ لینے کے لیے دین اور مذہب کی اس قدر دہائی دی جاتی ہے کہ غریب سے غریب شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر جوش ایمانی میں چندہ دینے کو راضی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی لیڈران سے بھی بسا اوقات در پردہ اور بسا اوقات علی الاعلان خاصا چندہ لیا جاتا ہے۔ منتظمین یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جن سیاسی لیڈران سے وہ چندہ لے رہے ہیں آخر ان کی کمائی جائز بھی ہے یا نہیں؟

جلسوں کا وقت: نیپال و بہار میں دینی جلسے عموماً ایک روزہ اور دو روزہ ہوا کرتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اہم پروگرام رات بھر ہوتے ہیں۔ رات بھر ہونے والے جلسوں کے کئی منفی پہلو ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ رات میں ہونے والے جلسوں کے لیے لائٹ کے انتظامات کے خرچ کا بوجھ بڑھتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ رات بھر جاگ کر وعظ و نصیحت کو دلجمعی اور انہماک سے سننا آسان کام نہیں ہے۔ مقرر خصوصی سر شام ہی سے اپنی نیند پوری کر کے تازہ دم ہو کر آتے ہیں۔ انہیں رات کی تیسری تہائی میں بیدار کیا جاتا ہے۔ ان کے اسٹیج پر آنے کے بعد سامعین کی اکثریت دنیا و مافیہا سے بے نیاز شامیانے میں ہل چلائی ہوئی مٹی کی زمین پر بچھے پوال پر شان بے نیازی سے قلندرانہ نیند کا مزہ لے رہے ہوتی ہے۔ ان خوابیدہ لوگوں کی رشد و ہدایت بھلا کیوں کر ممکن ہو۔

جلسوں میں خواتین کی شرکت: شمالی بہار اور نیپال کے ترائی علاقے کے جلسوں میں عام طور سے خواتین بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ خواتین کو وعظ و نصیحت کے مواقع سے محروم رکھا جائے لیکن زمینی حالات دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں کی خواتین کے لیے جلسہ کی حیثیت ایک تفریح اور پکنک کی ہے۔ جلسوں سے فیضیاب ہونے آئے مہمانان اپنے رشتے دار میزبانوں کی فراخ دل میزبانی کا خوب لطف لیتے ہیں۔ جلسہ گاہ میں لگے میلے ٹھیلے، خواتین اور بچوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ گرما گرم جلیبیاں، آئس کریم، کلفی، فالودے کے علاوہ انواع و اقسام کے فاسٹ فوڈ کے خوانچے والے، طرح طرح کے جھولے اور تماشے والے جلسوں میں خاصی رونق بڑھاتے ہیں۔ گویا تفریح اور پکنک کے تمام وسائل ہوتے ہیں۔ ان سب سے فراغت کے بعد بچے اور عورتیں

ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی

جلسے کے شامیانے کے نیچے پہنچتے بھی ہیں تو وہاں جگہ جگہ لاؤڈ اسپیکر پر مقررین کی گرجتی اور چنگھاڑتی آوازیں ایک طرف اور بنتِ حوا کی کھسر پھسر ایک طرف۔ خواتین کو جلسوں میں ایسی ایسی شناسا اور واقف کار مل جاتی ہیں جن کی عرصے سے ملاقاتیں نہ ہوئی ہوں۔ وہ آپس میں اس طرح ملتی ہیں جیسے صدیوں سے بچھڑی ہوئی تھیں۔ اب واعظ قوم وملت کی واعظانہ اور ناصحانہ باتیں سننے کا موقع ہی کہاں؟۔ آپ جلسے سے واپسی پر خواتین سے پوچھیں کہ شب بیداری کے بعد واعظین کی نصیحت آموز باتوں سے انہوں نے کیا سیکھا۔ جواب سن کر آپ خود فیصلہ کر لیں کہ خواتین کا جلسہ میں جانا کتنا سود مند ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جلسوں کے تقدس کی پامالی کی قصور وار صرف خواتین ہی نہیں بلکہ ہمارے نوجوان مرد حضرات بھی اس صف میں آگے آگے ہیں۔ جس طرح لڑکیاں اور خواتین جلسوں کو ایک تفریح گاہ اور پکنک اسپاٹ سمجھ کر سیر کے لیے جاتی ہیں اسی طرح لڑکے بھی اسی سج دھج کے ساتھ جلسوں میں مٹرگشتی کرتے نظر آتے ہیں۔

جلسوں میں نعت خوانی اور تقاریر: نعت خوانی محبتِ رسول کے اظہار کا ایک پاکیزہ اور مقدس طریقہ ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ انفرادیت کے چکّر میں ہمارے نعت خواں ایک سے بڑھ کر ایک واہیات اسٹائل ایجاد کر کے نعت کے تقدس کو تمسخر میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ مولانا جامی نے کہا ہے:

ہزار بار بشویم دہان بہ مشک وگلاب
ہنوز نام تو بردن کمال بی ادبیست

نعت کو محترم سمجھنے کے ساتھ عملی طور پر بھی اس کا احترام کرنے والے نعت خواں اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں یا پھر ایسے لوگوں نے بے حرمتی کی اس فضا سے خود کو کنارہ کر لیا ہے۔ مقررین کا معاملہ اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔ صدر العلما مولانا محمد احمد مصباحی سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے ایک نجی گفتگو میں مجھ سے کہا تھا کہ پیشہ ور مقررین ریکارڈڈ کیسٹ کی طرح ہیں، جیسے ہی مائک پر جاتے ہیں کیسٹ آن اور جیسے ہی ریکارڈنگ ختم ہوتی ہے وہ آف ہو جاتے ہیں۔ ذاتی مشاہدہ ہے کہ بعض مقررین فقط ایک گھنٹے کی ۲ تقریر رٹ کے خطیب ہندو نیپال بنے ہوئے ہیں اور اگر خیر سے بیرون ملک کا کوئی دورہ ہو گیا تب تو خطیب یورپ وایشیا بننے سے بھی انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ حالاں کہ ان کی شخصیت کی تہ میں جھانکیں تو ڈھاک کے تین پات کی طرح ایک ایک گھنٹے کی ۲ یا ۳ تقریر ہی ان کی کل کائنات ہوتی ہے۔ رٹی رٹائی تقریر سے ہم بھلا کیا توقع کریں کہ وہ مسلمانوں کو درپیش مسائل اور حالات و ضروریات کے تقاضے کے مطابق ہو۔ اور انداز بیان کا کیا کہنا۔ ایسی گھن گرج کی تقریر ہوتی ہے جیسے میدان کارزار میں دشمن کی افواج پر یلغار کے لیے رجز کر رہے ہوں۔ ان کی گھن گرج سے تو بسا اوقات سامعین کے علاوہ مائک اور لاؤڈ اسپیکر بھی پناہ مانگتے ہیں۔ سارا زور صرف اور صرف جوش بیان پر مرکوز ہوتا ہے۔ پوری قوت کے ساتھ آواز کے منبع سے لفظوں کو کشید کرتے ہیں۔ اور انہیں سامعین پر ایسے برساتے ہیں جیسے امریکہ نے عراق اور افغانستان پر بمباری کر دی ہو۔ جب کہ وعظ و نصیحت کے لیے یہ انداز تو کبھی بھی مقبول نہیں رہا۔ کیوں کہ کسی کو بھی کوئی بات سمجھانے کے لیے انداز شائستہ اور اور لہجہ نرم اختیار کرنا ہوتا ہے۔ یہ عین فطرت اور سنتِ رسول بھی ہے۔ لیکن پتہ نہیں وارثین انبیا کا دعویٰ کرنے والے مقررین اس نبوی وراثت سے تہی دامن کیوں ہیں۔ انہیں اتنی بات کیوں نہیں سمجھ میں آتی کہ وہ اپنے چاہنے والوں اور ہمنوا لوگوں کے درمیان ہیں۔ دشمنوں اور مخالفین سے بھی جب تک کہ وہ سرکش نہ ہوں شائستگی، نرمی اور محبت سے ہی بات کی جاتی ہے۔

مقررین کی زبان بھی بڑی ناقابل فہم ہوتی جا رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں یہ حضرات اپنی زبان کو پیچیدہ اور مشکل بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ لچھے دار اور پر شکوہ اسلوب بیان کے چکّر میں عربی وفارسی کے مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو عوام الناس کے فہم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ جب آپ کی بات آپ کے مخاطب کو سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تو پھر آپ کے چیخنے چلّانے اور گرجنے کا کیا فائدہ؟ ایسی زبان، الفاظ یا اصطلاحات کا استعمال جو کہ Speaker یعنی مقرر اور Receiver یعنی سامعین کی ذہنی اور علمی سطح کے درمیان مشترک نہ ہوں وہ ترسیل (Communication) کے لیے رکاوٹ (Barrier) ہے۔ یعنی جو بات آپ کہنا چاہ رہے ہیں اس کی ترسیل سامع تک ہوگی

ہی نہیں۔جب آپ کی بات سامع کی سمجھ میں ہی نہ آئے تو پھر خوب صورت، مسجع اور مقفیٰ گفتگو کا کیا فائدہ۔؟کسی زمانے میں ضرور یہ انداز بیان صلاحیت اور علم کا مظہر مانا جاتا رہا ہوگا اس دور میں سامعین بھی اہل علم ہوا کرتے ہوں گے۔لیکن فی الحال یہ طریقہ دنیا بھر کی زبانوں میں متروک ہو چکا ہے اب تو اہل علم کے درمیان بھی باکمال لوگ راست گفتگو کے قائل ہیں اس لیے عوام الناس کے درمیان بہر حال واضح اور آسان زبان میں گفتگو کی جانی چاہیے۔جمعہ کی تقریر اور گھروں میں ہونے والے محافلِ میلاد کی تقریروں کی زبان پر بھی ہمارے ائمہ اور مقررین کو نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

چترویدی مقررین پر دو باتیں: ہمارے علاقے میں چترویدی مقررین بھی کافی ڈیمانڈ میں ہیں۔اللہ جانے انہیں سنسکرت آتی بھی ہے یا نہیں۔متعدّد مقررین ۱۰/۲۰ شلوک یاد کر کے چترویدی بنے پھر رہے ہیں۔اور تقریر ایسی کرتے ہیں کہ جن سے بعض اوقات امن عامہ درہم برہم ہونے کے بھی خدشات ہوتے ہیں۔میں نے حال ہی میں ایک جلسے میں نام نہاد چترویدی کو سنا جو اپنی تقریر میں سنسکرت اور ویدوں کو کم رتبہ قرار دینے میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔یہ سراسر نادانی ہے۔ہم ہندو نیپال کے باشندے سیکولر ملک اور مخلوط آبادی میں رہتے ہیں جہاں دیگر مذاہب کے لوگ بھی ہیں۔آئے دن حالات کشیدہ ہوتے رہتے ہیں۔چترویدی صاحب کی ناعاقبت اندیشی سے خون خرابے کا ماحول بن سکتا تھا اس لیے چترویدی صاحب کو کسی طرح تقریر ختم کرنے کی پرچی دینی پڑی۔کسی بھی مذہب کی خامیوں کو بیان کرنے سے کوئی آپ کا گرویدہ نہیں ہوتا بلکہ ایسی گفتگو سے اس کی دل آزاری ہوتی ہے اور وہ آپ سے نفرت کرنے لگے گا اور دور ہوتا جائے گا۔صوفیائے کرام کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام دوسرے مذاہب کی تنقید نہیں کرتے تھے بلکہ وہ خود کو حقیقی اسلام کی عملی تصویر کے بطور پیش کرتے تھے اس لیے ان کے افعال و کردار اور حسن اخلاق سے لوگ گرویدہ ہو جاتے تھے۔کسی بھی مذہب اور عقیدے کے ماننے والے کو جھڑکتے نہیں تھے بلکہ محبت ،نرمی اور شائستگی سے پیش آتے تھے۔ذات پات،اونچ، نیچ اور مذہب و عقیدہ کی تفریق کے بغیر سب کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے تھے۔تبھی لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔اور ہم صوفیا کی محبت کا دم بھرنے والے ان کا راستہ چھوڑ کر دوسرے مذہب کی خامیاں علی الاعلان بیان کر کے اگر یہ سوچ رہے ہیں کہ دین کی تبلیغ کر رہے ہیں تو میرے خیال میں یہ ہماری بہت بڑی بھول یا تجاہل عارفانہ ہے۔

تقریروں کے موضوعات: تقریروں کے موضوعات کا سروے کیا جائے تو ایک افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ اکثر مقررین جس موضوع کا انتخاب کرتے ہیں اس سے بھٹکی ہوئی گفتگو ہی کرتے ہیں۔ہمارے جلسوں میں عام طور سے رد بدمذہب ،درود کی فضیلت ، شفاعت مصطفیٰ ،وسیلہ ،میلاد و فاتحہ کے جواز ،فضائل اولیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلیم کے معجزات جیسے موضوعات ہوتے ہیں۔میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے انہیں موضوعات پر اکثر مقررین کی تقریریں سن رہا ہوں۔جب کہ آج مسلمانوں کو عالمی سطح پر بہت سے مسائل درپیش ہیں جن پر انہیں علما اور اہل علم و بصیرت کی رہنمائی درکار ہے۔تین طلاق کا مسئلہ ،حلالہ ،تعدد ازدواج ،شراب نوشی ،تعلیم سے مسلمانوں کی دوری ،تعلیم نسواں ،ملکی سیاست میں مسلمانوں کی شمولیت ،حقوق انسانی ،امن عالم ،قومی ہم آہنگی ،حقوق نسواں اور اس جیسے ان گنت موضوعات ہیں جن کے حوالے سے عام لوگوں کو اتنا شعور ہی نہیں کہ اس طرح کے موضوعات پر ہونے والے اعتراضات کا کیا جواب دیں۔عوام الناس تو بہر حال اہل علم کے محتاج ہیں۔لیکن اہل علم دہائیوں سے دو چار موضوعات کو مخصوص کر چکے ہیں اور اسی پر اپنی ساری قوت صرف کر رہے ہیں۔عوام کی دلچسپی انہیں موضوعات میں ہے یہ کہہ کر آپ دامن نہیں بچا سکتے۔آخر عوام کو ان موضوعات کا عادی بنانے والے بھی تو آپ ہی ہیں۔آپ چاہیں تو ان کی دلچسپی کا قبلہ یقیناً تبدیل ہو سکتا ہے۔

جلسوں کی آمدنی اور مقررین کے نذرانے: جلسے میں مقررین کو مدعو کرنے کے لیے ان کے نذرانے کی رقم عموماً پہلے سے طے ہوتی ہے۔بڑے تسلیم کیے جا چکے مقررین یا یوں کہیے سیلیبریٹی (Celebrity) مقررین کی آمد و رفت کا ٹکٹ عموماً ہوائی جہاز سے

ہوتا ہے یا اس روٹ پر دستیاب راجدھانی جیسی پریمیم ٹرینیں یا پھر کسی دوسری ٹرین میں بھی اے سی کوچ کا ٹکٹ بک کرنا شرائط میں سے ہوتا ہے۔ ان کے رہنے کے لیے بھی بہتر سے بہتر قیام گاہ کا انتظام ہوتا ہے۔ بالعموم مسجد کے ائمہ کے حجرے میں قیام کرنے سے بڑے مقررین تو سرے سے انکار کرتے ہیں اس لیے گاؤں کے کسی رئیس و کبیر کے عالی شان گھر میں ان کے قیام کا نظم کیا جاتا ہے۔ اور اگر شہر ہو تو پھر لگژری ہوٹل میں بندوبست کرنے کی شرائط ہوتی ہے۔ محض آدھے گھنٹے کی تقریر کے لیے ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تک بھی نذرانے دیے جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک بار ایک مقرر کو ہمارے گاؤں کے جلسے میں دعوت دی گئی۔ میرا گاؤں ہند و نیپال کی سرحد پر واقع ہے۔ اور وہاں کوئی ایر پورٹ نہیں ہے۔ ٹرین میں بھی کوئی پریمیم ٹرین وہاں تک نہیں جاتی۔ میرے گاؤں سے ۲۷ کیلومیٹر کی دوری پر نیپال کے شہر جنک پور میں ایک چھوٹا سا ایئر پورٹ ہے۔ جہاں سے نیپال کی گھریلو پروازیں ہوتی ہیں۔ مقرر خصوصی صاحب نے دہلی سے کاٹھمانڈو کی انٹرنیشنل فلائٹ کا ٹکٹ بک کروایا پھر کاٹھمنڈو سے جنک پور کی گھریلو پرواز کا ٹکٹ بک کروایا۔ منتظمین جلسہ جنک پور ایر پورٹ پر پورے جوش و خروش سے استقبال کے لیے موجود تھے۔ وہاں سے اپنی عمدہ گاڑی میں منتظمین انہیں لے کر آئے۔ اب تخمینہ لگایا جائے تو کم از کم صاحب کے آنے میں ۶۰ سے ۷۰ ہزار کا خرچہ آیا ہو گا کیوں کہ وہ اکیلے بھی نہیں ہوں گے ساتھ میں کوئی خادم خاص بھی ضرور ہو گا۔ اب واپسی کے خرچ کا بھی تخمینہ آپ خود لگا لیں۔ اور انہیں نذرانے کی رقم کے بطور بھی ۳۰ ہزار سے کم کیا دی جائے گی۔ اب اندازہ لگائیں کہ فقط ایک مہمان پر ڈیڑھ سے دو لاکھ کا خرچہ ہے۔ اور نتائج سے تو ہر عام و خاص بخوبی واقف ہی ہے۔ میرے ایک دوست مولانا عبد الرحیم مصباحی جو فی الوقت انڈمان نکوبار میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں انہوں نے ایک بار اپنے ایک فیس بک پوسٹ میں نیپال و بہار میں ہونے والے جلسوں کے مجموعی خرچ کا تخمینہ لگایا تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ اس خطے میں تقریباً ۸ / ۱۰ لاکھ سے کم میں کوئی بھی عام جلسہ منعقد نہیں ہوتا۔ یہ کم از کم کی مقدار ہے۔ اس سے زیادہ ہی کی امید رکھیں۔ یہ رقم ملّت اسلامیہ کی گاڑھی کمائی سے ہی آتی ہے۔ اب ذرا ایک اور بھی تخمینہ لگائیں کہ بہار و نیپال میں ایک سال میں کتنے جلسے ہوتے ہوں گے۔ میرے پاس فی الوقت حتمی اَعداد و شمار نہیں ہے لیکن اشتہارات نظر سے گزرتے رہتے ہیں ان سے اگر اندازہ لگایا جائے تو سالانہ اوسطاً بہار و نیپال بھر میں ۱۰۰ سے زائد جلسے تو ہوتے ہی ہوں گے۔ اب ۸ لاکھ کو ۱۰۰ سے ضرب دیں تو پتہ چلے گا کہ سالانہ کڑوروں روپیے پانی کی طرح مسلمان بہائے جا رہے ہیں۔ پورے ملک میں ہونے والے جلسوں میں خرچ کا تخمینہ اور بھی حیران کن ہو گا۔

جلسوں میں مالی بد عنوانیاں: ابھی حال ہی میں ایک جلسے کے انتظام و انصرام کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جلسہ کے لیے پورے علاقے سے حاصل شدہ رقم تقریباً ۸ لاکھ تھی۔ میں نے قریبی ذرائع سے معلوم کیا کہ جلسہ کے انعقاد میں کتنا خرچہ آیا تو پتہ چلا بمشکل ۲ لاکھ۔ اب ۶ لاکھ کا حساب منتظمین سے کون لے؟ کیوں کہ منتظمین یہ کہتے نظر آئے کہ جتنا چندہ حاصل ہوا تھا اس سے ایک لاکھ زیادہ ہی خرچ ہو گیا۔

تین چار ہاتھ لمبے اشتہارات میں جلی حروف میں بسا اوقات ایسے نامی گرامی علما کے نام شائع کر دیے جاتے ہیں جنہیں دعوت بھی نہیں دی جاتی۔ بڑے نام کا جھانسا دکھا کر عوام سے چندہ لینے کی یہ انوکھی ترکیب ہے۔ کئی اشتہارات میں تو میں اپنا نام دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا جب کہ فی الحال میں مقرر بھی نہیں ہوں۔ اشتہارات میں مقامی علمائے کرام اور ائمہ مساجد کی بھی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے۔ لیکن جلسے کے بعد ان میں سے اکثر کو ایک روپیہ بھی نذرانہ نہیں دیا جاتا۔ منتظمین جلسہ کی ڈھٹائی دیکھیے کہ علما کے نام پر نگری نگری سے چندہ اکٹھا کر لیتے ہیں اور انہیں ہی اس کا حصے دار نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ ایسے منتظمین خود رسید لے کر گھومتے رہیں تو انہیں ایک پھوٹی کوڑی کوئی نہ دے۔ یہ علمائے کرام ہیں جن کے نام پر عوام الناس اپنی بساط سے زیادہ چندہ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ساحر لدھیانوی کا ایک شعر اس موقع سے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہمیں سے رنگِ گلستاں، ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پہ اختیار نہیں

(بقیہ.... ص:۳۹ / پر)

लांए ताकि हमारे वह तलबा जो फराग़त के बाद असरी दानिशगाहों में जाने का इरादा रखते हों वह किसी इज़ाफी इम्तेहान या बोझ का सामना न करें, इस के लिए मदारिस के तालिमी निसाब में किसी तबदीली की ज़रूरत नहीं बल्कि मदारिस में जारी तालिमी मरहलों को मुल्क के मआसिर तालिमी मर्हलों के ऐतबार से तक़सीम किया जाए, मसलन हम अपने तालिमी मरहलों को तीन हीस्सों में तक़सीम करें, पहला मर्हला ऐदादिया ता राबिआ, इस की तकमील के बाद मौलवियत की सनद दी जाए, जिस में इस बात की वज़ाहत हो कि यह सनद १०वीं के बराबर है। दूसरा मरहला खामिसा ता सादिसा, इस की तकमील के बाद आलिमियत की सनद दी जाए जिस में इस बात की सराहत की जाए कि यह सनद १०+२ के मुसावी है, तीसरा और आखिरी मरहला साबिआ ता फज़ीलत और उस की सनद को BA के मुसावी कर देना चाहीए।

ज़ाहिरी और बातिनी तरबियत:

निज़ामे तालीम ख्वाह कितना ही अच्छा क्यूँ न हो मगर तरबियत के बग़ैर बेमज़ा और ना मुकम्मल सा लगता है, तालीम और तरबियत के दरमियान लाज़िम व मल्ज़ूम का रिश्ता है, यूँ कहा जा सकता है कि जो तअल्लुक़ एक उम्दा खाने और नमक के दरमियान होता है वही रब्त व तअल्लुक़ तालीम व तरबियत के दरमियान होता है, इस लिए मदारिस के ज़िम्मादारान को अपने तलबा की तरबियत करनी चाहीए, स्कुल में कम अज़ कम तलबा की ज़ाहिरी तरबियत का खुसुसी ख़याल रखा जाता है, उन के नाखुन, बाल और कपड़े वग़ैरा पर कड़ी नज़र रखी जाती है, और किसी भी क़िस्म की कोताही की सूरत में सरपरस्तों को बुला कर मुनासिब तम्बिहकी जाती है, होना तो यह चाहीए था कि जिस इस्लाम ने अपने मानने वालों को मुख़्तलिफ अन्दाज़ में तज़्किया व तस्फिया की तालीम व तरगीब ड़ी उसी से मुतअल्लिक़ उलूम के तहसील करने वालों पर उन चीज़ों को नाफिज़ किया जाता और उन्हें तस्फिया व तज़्किया का पैकर बनाया जाता मगर हालात हमारे सामने हैं। मैं यह नहीं कहता कि बा क़ाइदा इस के लिए वक़्त में गुन्जाइश निकाली जाए, अल्बत्ता इतना तो किया ही जा सकता है कि असातेज़ा दौराने दर्स तलबा की तरफ नज़र करते वक़्त उनके लेबास और हुलिए पर भी क़सदन एक नज़र डालें। और वक़्तन फ वक़्तन कोताही पर तवज्जोह दिलाएं। ताकि आइन्दाह वह इस का ख़याल रखेँ। आख़िर असातेज़ा को बाप का जो दरजा दिया गया है क्या उस दर्जे का यह तक़ाज़ा नहीं कि हम अपने तलबा के ज़ाहिर व बातिन की इस्लाह व निगरानी की कोशिश करें। अपने बच्चों के ज़ाहिर व बातिन की इस्लाह में हमें कोई दिक़्क़त महसूस नहीं होती तो फिर भला यह तलबा भी तो एक गोना हमारे बच्चे हैं तो उनके ज़ाहिर और बातिन की इस्लाह में क्यूँ दिक़्क़त महसूस होती है ? तलबा की अमली और अख़लाक़ी तरबियत के लिए जिन बातोंकी तरफ तवज्जोह देने की ज़रूरत है उन में से बाज़ का ताअल्लुक़ ज़ाहिर से है और बाज़ का बातिन से।

ज़ाहिर की तरबियत से मुतअल्लिक़ उमुर:

तलबा के ज़ाहिर की तरबियत व इस्लाह के लिए जिन उमूर की जानिब तवज्जोह करना चाहीए उन में तलबा का लिबास, वज़ा क़ता और जिस्म की सफाई व सुथराई क़ाबिले ज़िक्र हैं। इस काम के लिए सब से बेह्तर तरीक़ा यह है कि सुन्नते रसूल का पाबन्द बनाया जाए, बल्कि सुन्नत को आदत बना दिया जाये।

बातिन की तरबियत से मुतअल्लिक़ उमूर:

बातिन की तरबियत व इस्लाह के लिए जिन उमूर की जानिब तवज्जोह करना चाहीए उन में से तक़वा व तहारत और अपने इल्म पर अमल हैं, हमें इस बात की कोशिस करनी चाहीए कि तलबा के अन्दर तक़वा व तहारत का उन्सुर बदर्जा अतम्म पाया जाए, और वह इल्म के साथ अमल के भी पैकर बनें। खुसूसन नमाज़ की पाबन्दी करें, उम्मीद है कि यही नमाज़ उन्हें हर तरह की बुराइयों और बे हयाइयों से बाज़ रखेगी। ☆☆☆

इदारों में बाज़ तलबा केवल इम्तेहान के डर से ही पढ़ते हैं। अगर निज़ामे इम्तेहान ख़त्म कर दिया जाए तो शायद वह कभी किताब खोल कर भी न देखें। इस लिए तमाम तालिमी इदारों में निजामें इम्तेहान में किसी भी तरहकी कोताही से परहेज़ करन चाहीए। इम्तेहान के ज़रीए ही असातेज़ा को अपनी कोशिशों के बार आवर होने या न होने और काम की रफ्तार और तरीक़े तालीम के कार आमद होने का सही इदराक होता है। इस तरह तलबा को अपनी सलाहीयत और क़ाबिलिएत और मेहनत के बारे में सही राय क़ायम करने का मौक़ा मिलता है।

तालिमी इदारों को निज़ामे इम्तेहान में कुछ इस्लाहात करने की ज़रूरत है, *अव्वलन* यह कि तालिमी इदारों, खुसुसन मदारिस में यह देखा गया है कि तक़रीरी इम्तेहान (Oral Exam) का कोई ख़ास सिस्टम नहीं होता, किसी तालिबे इल्म से घन्टों सवालात किये जाते हैं तो किसी तालिबे इल्म को पांच मिनट भी बर्दाश्त नहीं किया जाता, इसी तरह नम्बर देने में भी उमुमन रोल नम्बर मल्हूज़ रखने का एहसास होता हैं यानी रोल नम्बर के ऐतबार से कम और ज़्यादा नम्बर दे दिये जाते हैं। इसी वजह से तलबा में भी तक़रीरी इम्तेहान की तैयारी का महौल नहीं पाया जाता। तक़रीरी इम्तेहान के निज़ाम को मुनज़्ज़म व मज़बूत करने और तलबा को उनकी तैयारी पर मज़बूर करने के लिए यह तरीक़ा इख्तेयार किया जा सकता है कि हर एक तालिबे इल्म से एकसाँ तादाद में सवालात किए जायें, हर सवाल का एक मुक़ररह नम्बर हो, और जवाबात का लेहाज़ करते हुए हर तालिबे इल्म को उसकी मेहनत का सिला दिया जाए और रोल नम्बर का कुछ भी ख़याल न किया जाए तो उम्मीद है कि तक़रीरी इम्तेहान भी एक मुनज़्ज़म सुरत इख्तियार करेगा, और तलबा तहरीरी इम्तेहान की तरह उस की तैयारी पर भी मज़बूर होंगे।

सानियन यह कि अब तक मदारिस में यह तरीक़ा रायज है कि नतिजा-ए-इम्तेहान और रिज़ल्ट ज़बानी सुना दिए जाते हैं या फिर किसी दिवार या नोटिस बोर्ड पर चिप्का दिया जाता है। इस के बर ख़िलाफ दुनियावी तालिमी इदारों में रिज़ल्ट कार्ड दिए जाते हैं, जिस में तमाम तर तफसीलात मौजूद होते हैं, तलबा अपने वालिदैन और रिश्तेदारों को दिखाते हैं और न देखाने की सूरत में खुद वालिदैन रिज़ल्ट देखाने का तक़ाजा करते हैं। मदारिस में भी अब यह तरीक़ा शुरु करना चाहीए और तलबा को इस बात पर मज्बूर करना चाहीए कि वह अपना नतीजा-ए-इम्तेहान वालिदैन को दिखाएं। साथ ही जिन तलबा का रिज़ल्ट मुसल्सल ख़राब आत हो उन के वालिदैन या सरपरस्त को बुला कर उन के बच्चों की कारकर्दगी और कोताही से आगाह किया जाय, और उन के ज़रीए तम्बिह भी कराइ जाए। इस लिए कि तलबा इस बात से ख़ौफ करते हैं और ना पसन्द भी करते हैं कि वालिदैन और सरपरस्तों के सामने उनकी कोताहीयों का पर्दा फाश हो जाए, मुम्किन है कि इस ख़ौफ और तम्बिह के बाद कुछ तलबा में सुधार देखने को मिले।

सनदों की तरतीब: तक़रीबन गुज़िश्ता एक दहाई से असरी दानिश्गाहों के कुछ प्रोफेसर्ज़ यह आवाज़ बलन्द कर रहे हैं कि मदारिसे दिनिया में भी असरी उलूम का एह्तेमाम किया जाए, ताकि इन मदारिस से भी तलबा डाक्टर और इन्जिनियर वग़ैरा बन कर निक्लें, मुझे इन इल्म दोस्त प्रोफेसर की नियत पर क़तअन शक करने का हक़ नहीं, और ना मैं करता हुं अल्बत्ता उन से इतना ज़रूर अर्ज़ करुंगा कि मदारिस के क़याम निज़ाम और तालीम का मक़सद डाक्टर और इन्जिनियर बनाना है ही नहीं कि उन उलूम को निसाब में शामिल किया जाए बल्कि आप हज़रात की बारगाह में नाचिज़ यह अरिज़ा पेश करता है कि आप अपने निसाब मे बक़दरे ज़रूरत इस्लामी तालीम शामिल फरमाएँ क्यूँकि ब हैसियते मुसलमान इस्लाम ने हम पर ब क़दरे ज़रूरत इस्लामी तालीम फर्ज़ किया है, लेकिन मदारिस के अरबाबे हल अक़्द से भी यह बात अर्ज़ करता हुं कि आप हज़रात मदारिस के सन्दों की तरतीब में कुछ जिद्दत ज़रूर

लिए अर्ज़ कर दी कि अकसर ज़िम्मेदारान शायद इस काम के लिए आमादह न हों।

तलबा से निजामुल औकात बनवाने और मेहनत करवाने का इहतेमाम: हम ने किताबों में काफी पढ़ा है कि क़दीम ज़माने में असातेज़ा तलबा को अगले दिन का सबक़ मुतालआ करने की तरगीब देते थे और तलबा भी मुतालआ कर के शामीले दर्स हुआ करते थे मगर आज रस्मे अज़ॉ तो है मगर रूहे बिलाली नहीं। तलबा मुतालआ तो दूर, इबारत ख्वानी के लिए काले काले हुरुफ तक देख कर नहीं आते और जब इबारत ख्वानी की बारी आती है तो किसी पाग़ल साइकल सवार की मानिन्द मुँह चलाना शुरु कर देते हैं। अगर सलामती के साथ बढ़ते रहे तो ठीक, वर्ना ठोकर मारने पर भी कोई मुआख़ज़ा होने वाला नहीं, और अस्बाक़ का हाल यह होता है कि जिस किताब में दिल्चस्पी होती है या जिस किताब के उस्ताज़ साहब सख्त गीर होते हैं उसके अस्बाक़ याद होते हैं।और बक़ीया की तरफ नज़र भी नहीं की जाती, जिस का नुक़सान उन्हें आने वाले ज़माने में याद आ जाता है, मगर उस वक़्त तक काफी देर हो चुकी होती है।

इस से निजात के लिए (उन बड़े मदारिस में न सही जहां तलबा हज़ारों की तादाद में हों) कम से काम छोटे मदारिस में इब्तिदाई दराजों के तलबा पर असातेज़ा को खुसुसी तवज्जोह देने और मेहनत कराने का एहतेमाम करना चाहिए। उन्हें इस बात पर आमादह करना चाहीए और निगरानी भी करनी चाहिए कि वह तमाम किताबों के लिए एक निज़ामुल औक़ात तैयार करें। तमाम किताबों के लिए आसान और सख़्त होने के एतेबार से एक मुनासिब वक़्त मूताऐयन करें और उस वक़्त में उसी किताब को पढ़ें, जिस का वक़्त हो ताकि तमाम अस्बाक़ याद करना आसान हो। मदारिस में मन्सबे तदरीस से मुन्सलिक असातेज़ा को यह बात का बारहा मुशाहिदा होता होगा कि तलबा उमुमन मन्तिक़ व फल्सफा और अदब व इन्शा के अस्बाक़ में दिल्चस्पी नहीं लेते जिस का ख़मियाज़ा उन्हें बाद में उठाना पड़ता है। इस काम के लिए इस बात की अशद हाजत है कि, असातेज़ा तलबा से ज़्यादा ख़िदमत न लें बल्कि उन्हें ज़्यादा से ज़्यादा वक़्त तालीम में सर्फ करने का मौक़ा फराहम करें, खुसुसन छोटे मदारिस में यह देखा गया है कि , तलबा से घन्टों ख़िदमत ली जाती है, यक़ीनन असातेज़ा की ख़िदमत एक बड़ी सआदत की बात है मगर ऐसा ना हो कि मदारिस में आने का अस्ल मक़सद ही फौत हो जाए। पेशगी माज़रत के साथ यहां इस बात का अफ्सोसाना इज़हार कर रहां हूँ कि जो असातेज़ा तलबा से घन्टों ख़िदमत लेते हैं जब उन के जिगर के टुक्डों से कोइ उस्ताज़ साहब थोड़ी बहुत ख़िदमत लेते हैं तो न जाने उन के दिल। में ना पसन्दिदगी की कैफियत क्यूँ पैदा हो जाती है ?

इस का सब से बड़ा फाइदा यह होगा कि तलबा ख्वाही न ख्वाही अपने अस्बाक़ हर रोज़ याद कर लेंगे और इसका इआदा भी होता रहेगा, वर्ना जिन मदारिस में तलबा की तालिमी निगरानी का एहतेमाम नहीं होता, वहाँ उमुमन तलबा इम्तेहान में कामियाबी के लिए ही सिर्फ किताबें उठाते हैं। और सिर्फ मुन्तख़ब हिस्सों, खुलासों और शर्हों से काम चलाया जाता है , बल्कि चालीस से तीस फीसद तलबा सिर्फ पास होने भर तैयारी कर के इम्तेहानात पास करने को ही अपनी सब से बड़ी कामियाबी तसव्वुर करते हैं। गोया तालीम का अस्ल मक़सद और बुनियादी मक़सद नज़रों से औझल हो जाते हैं और इम्तेहानात ही तालीम का अस्ल मक़सद बन जाता है।

इम्तेहानात:उम्दा निज़ामे तालीम की जब बात हो तो इम्तेहानात का ज़िक्र आना तो लाज़िमी है, इस लिए कि इम्तेहानात निज़ामे तालीम की उम्दगी और बेह्तरी के लिए अहम रोल अदा करता है, यही वज्ह है कि आज दुनिया का कोई भी इदारा ऐसा न मिलेगा जहाँ इम्तेहानात का निज़ाम क़ायम न किया गया हो, यह और बात है कि कहीं यह निज़ाम इन्तेहाइ मुनज़्ज़म तौर पर है तो कहीं, निस्बतन ग़ैर मुनज़्ज़म और कमज़ोर, बल्कि यह एक ज़मीनी सच्चाई है कि इस्लामी तालिमी इदारों में या ग़ैर इस्लामी तालीमी

ज़िम्मेदारी है कि ऐसी संगीन मस्ले का सख़्त नोटिस लें। जिस की वज्ह से बराहे रास्त निज़ामे तालीम दर्हम बर्हम हो। मुदर्रेसीन, सदर मुदर्रेसीन और ज़िम्मेदारान अगर इस फर्ज़े मन्सबी से पहलु तही करते हैं तो اذا ائتمن خان और الا كلكم راع وكلكم الخ की पकड़ से बचने की सिर्फ दुआ ही की जासकती है।

इस से निजात पाने के लिए यह तरीक़ा अपनाया जा सकता है कि असातेज़ा हर इब्तेदा-ए-शश माही में मुम्किना अय्यामे तालीम का हीसाब लगाएँ फिर किताब के सफहात का अन्दाज़ा कर के हर दिन पर मुनासिब मिक़्दार में सफहात की तक़सीम फरमा लें। मसलन शश माही अव्वल में सत्तर दिन तालीम का इमकान है और जो किताब पढ़ानी है उसके कुल सफ़हात सौ हैं तो हर दिन डेढ़ सफहे का सबक़ हो।

अच्छे तलबा का इन्तेखाब : उमुमन यह देखा जाता है कि मदर्से में दाखिले का कोइ मेआर नहीं होता, और हर क़िस्म के ख्वाहीश मन्द का दाख़िला कर लिया जाता है और यह नहीं देखा जाता कि ख्वाहीश मन्द तालिबे इल्म दाख़िले के क़ाबिल है भी या नहीं ? और अगर है तो मत्लुबा दरजे के लाएक़ है या किसी और दरजे के ? इस तरह से बग़ैर किसी इम्तियाज़ और मेआर के दाख़िला लेने का बज़ाहिर यह फाइदा तो है कि हमारे दिल को यह तसल्ली रहती है कि हमारे इदारे में इतने तलबा पढ़ते हैं। हालांकी इस जानिब तवज्जोह देने की ज़रूरत है कि इत्ने तलबा पढ़ते हैं या सिर्फ पड़े रहते हैं ? मगर इस का यह नुक़सान सामने आता है कि असातेज़ा की मेहनत और कोशिश रायगां हो जाती है। तालिबे इल्म नाकारा रह जाता है। और जहाँ जाता है इदारा, असातेज़ा और ख़ुद अपनी ज़ात की जगहंसाइ का सबब बनता है।

ऐस नहीं कि यह सिर्फ मेरा अपना ख़याल है, बल्कि रिवायतें इस जानिब हमारी रहनुमाई कर रही हैं कि तालीम और तअल्लुम के लिए अह्ल का इन्तेख़ाब किया जाए जैसा के अल मुहद्दीसुल फासिल बैन रावी वल वाई में है :

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «أَكْثِرُوا الْعِلْمَ، وَلَا تَضَعُوهُ فِي غَيْرِ أَهْلِهِ، كَقَاذِفِ اللُّؤْلُؤِ إِلَى الْخَنَازِيرِ»

एक वाक़िया मुलाहिज़ा फरमाएँ :

نا مُجَاهِدٌ، " حَدَّثَنِي الشَّعْبِيُّ، بِحَدِيثِ الْحِمَارِ الَّذِي عَاشَ بَعْدَ مَا مَاتَ، فَرَوَيْتُهُ عَنْهُ، فَأَتَاهُ قَوْمٌ فَسَأَلُوهُ عَنْهُ، فَقَالَ: " مَا حَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَطُّ، فَأَتَوْنِي، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَوَمَا حَدَّثْتَنِي؟ فَقَالَ: «أُحَدِّثُكَ بِحَدِيثِ الْحُلَمَاءِ وَتُحَدِّثُ بِهِ السُّفَهَاءَ» (الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، ص: ۳۳۵، مكتبة المعارف ، ر یاض)

टि सि तलब का मुतालबा: राक़िम की मालुमात की हद तक तक़रीबन किसी भी मदर्से में ट्रान्सफर शर्टिफिकेट नहीं लिया जाता जिस का ग़लत असर तालीम पर पड़ता है। वह युं कि जब मदर्से में रौशन मुस्तक़्बिल के लिए किसी आराम परस्त और काहील तालिबे इल्म पर कुछ सख़्ती बरती जाती है तो वह फौरन ही उस मदर्से को ख़ैराबाद कह कर किसी दूसरे मदर्से की तदाद को आबाद करता है और दाख़िला ले लेता है, फिर जब वहाँ भी गुज़िश्ता सूरते हाल का समना होता है तो किसी तीसरे मदर्से में वक़्त गुज़ारी का परवाना हासिल कर लेता है। इस का नुक़्सान यह होता है कि उस तालिब का दौरे तहसील एक जगह से दूसरी जगह मुन्तक़िली में गुज़र जाता है और उसे कुछ हासिल नहीं होता। और दूसरा नुक़्सान यह होता है कि इदारे की बदनामी होती है इस लिए कि ऐसे तालिबे इल्म से जब यह सवाल होता है कि साबिक़ा मदर्से को क्युं छोड़ दिया तो दो टोक उस का यही जवाब होता है कि वहाँ तालीम सहीह नहीं थी वग़ैरा वग़ैरा। इस बात का राक़िम को मुशाहदा और तजर्बा है।

इस मक़ाम पर राक़िम मदर्से के ज़िम्मेदारान से भी मुअद्दबाना गुज़ारिश करता है कि अगर कोई तालिबे इल्म नेक नीयती और अपने रौशन मुस्तक़्बिल के लिए या किसी खास उज़्र की बुनियाद पर आप हज़रात से ट्रान्सफर सर्टिफिकेट तलब करे तो आप भी उस की नेक नीयती और आज़ार की तसदीक़ के बाद बग़ैर किसी दुशवारी और ख़ुशआमद के टि सी दे दें ताकि वह अपने तालिमी सफर में किसी तरह की रुकावट महसूस न करे। यह बात इस

पहली बात यह कि तदरीस के वक़्त हमें अपने सामने मौजूद तलबा की ज़िहानत, इस्तेअदाद और पढ़ाई जाने वाली किताब का ख़ास ख़याल रखना चाहीए । असबाक़ की तक़रीर न इत्नि मुख़तसर हो कि आला ज़ेहन के तलबा भी समझने में दुशवारी महसूस करें, न इत्नि तफ्सीली कि अदना ज़ेहन का तालिबे इल्म भी उकताहट महसूस करे, इसके लिए हमें यह कोशिश करनी चाहीए कि हमारी तक़रीर औसत दरजे की हो, ना बिल्कुल मुख्तसर न बिल्कुल मुफस्सल, इसी के साथ हमें यह भी याद रखना चाहीए कि हम किस फन की किताब किस मक़सद से पढ़ा रहे हैं ?

इस को एक मिसाल से समझने की कोशिश किजिए कि, आम तौर पर हमारे मदारिस में फने नहव की बहुत अहम किताब "काफिया इब्ने हाजिब" पढ़ाई जाती है, और असातेज़ा काफी दिलचस्पी से पढ़ाते हैं, मगर अस्बाक़ की तक़रीर अपने मा लहु और मा अलैही के साथ इस क़दर तवील होती है कि बाज़ औक़ात सिर्फ एक सतर में पूरा हफता गुज़र जाता है, और ऐसा महसूस होता है कि नहव की जग फल्सफा की किताब पढ़ाई जा रही है। हमें आज भी याद है कि जब हम ने काफिया पढ़ना शुरु किया था, तो सिर्फ "कलिमा" की तारीफ में पूरा एक हफ्ता गुज़र गया और बहुत सारे इलमी फवाइद के साथ एक इलमी फाइदा यह भी हासिल हुआ कि इल्मे नहव की ग़रज़ व ग़ायत में मज़ीद उसअत होनी चाहीये।

दूसरी बात यह है कि हमारे मदारिस में अमली तालीम का इन्तेज़ाम नहीं। तमाम अस्बाक़ सिर्फ हाथों की उङ्लियों पर सम्झाने की कोशिश की जाती है। कुछ के अलावा ब्लैक बोर्ड और व्हाइट बोर्ड की मदद भी नहीं लीजाती । हालांकि कसीर अहकाम की तफहीम में इस अमली तरीक़े का बड़ा दख़ल है, जैसे तज्हीज़ व तकफीन और हज्ज के बेशतर अहकाम इस बात का तक़ाज़ा करते हैं कि उस की तफहीम के लिए प्राक्टिकल का सहारा लिया जाए। इस मक़ाले के पढ़ने, सुनने वालों में उम्मीद है कि कुछ का शुमार तबक़ा-ए-उलमा में होता होगा। वह ख़ुद अपने दिल से पुछे कि क्या इन अहकाम व मसाइल की उम्दा तफहीम के लिए प्राक्टिकल की ज़रूरत है या नहीं ? शायद यही वज्ह है कि अब हज्ज तरबियती कैम्प में हमारे उलमा लोगों को अमलन हज्ज की तरबियत फरमाते हैं क्यूंकि इसतरीक़े से जहाँ मसाइल व अहकाम की तफहीम व ज़ेहन नशीनी आसान है वहीं देरपा भी है।

मगर अफसोस कि मुद्दतों से हमारे दीनी इदारों में इन मसाइल की तफहीम तसव्वूर की दुनिया में की जाती रही और आज की तरक़्क़ी याफ़ता बीसवीं सदी में भी यही तरीक़ा राइज है। यह भी अजीब बात है कि उमुमन फिक्ह व इफ्ता की मिसाल तबाबत से दी जाती है, मगर जब इसी फिक्ह व इफ्ता के अहकाम की तफहीम की बात आती है तो यह मिसाल और तसव्वुर न जाने किस दुनिया में गुम हो जाती है।

रफ़तार और मिक़दार में ऐतेदाल:

मदारिस में यह आम मुशाहदा है कि असातेज़ा हर किताब के इब्तेदाइ अस्बाक़ में खुब तवील तक़रीर फरमाते हैं और बाज़ दफा दरजे की ज़ेह्नियत से बढ़ कर आला अब्हास पेश करते हैं और दादे तदरीस देते हैं। इस की वजह से यह अमर दरपेश होता है कि पूरे ४५ मिनेट से एक घन्टे तक की पिरियड में कभी आधा सफ्हा तो कभी पौन सफ्हा, जिस का लाज़ीमी नतिजा यह साम्ने आता है कि मुम्किना अय्यामे तालीम का बेश्तर हीस्सा अपने निसाब की रफतार व मिक़्दार में काफी सुस्त रवी से अपने मन्जिल की तरफ रवां दवां होता है । फिर एक वक़्त ऐसा आता है कि मिक़्दारे तालीम की तक्मील के लिए राजधानी एक्प्रेस पर सवार हो जाते हैं और नान स्टाप सफर शुरु होजाता है। फिर क्या ! जितने मक़ाम व वक़्त में कभी एक सफ्हा की तक़रीर ना मुकम्मल रह जाया करती थी उतने ही मक़ाम व वक़्त में चार चार से पांच सफ्हात का दर्स भी मुकम्मल हो जाता है। ऐसा करने से नफा और नुक्सान बयान करने का मुहताज नहीं। मदारिस के ज़िम्मेदारान सदरुल मुदर्रेसीन को इस तरफ तवज्जोह देने की सख़्त ज़रूरत है । बल्कि इन का मन्सबी फरीज़ा और

हुँ । अव्वलन तो मैं मदारिस के नाज़िमीन और मुदर्रेसीन ख़ुसुसन नेपाली मदारिस के अह्ल कारों को मुबारक बाद देना चाहता हुं कि इल्मे दीन की बहार आप ही की सयी-ए-जमील की मरहून मन्नत है, साथ ही यह तकलीफ देह ख़बर आप तक पहुचाने की गुस्ताखी कर रहा हुं कि मदारिसे दिनिया का निज़ामे तालीम पस्ती, अबतरी और पुरा गन्दगी का शिकार है ख़ुसुसन मदारिसे नेपाल का हाल बताने के लिये वहीं से यूपी में तालीम हासिल करने के लिये आने वाले तलबा की बातें पेश करता हुँ।

एक तालिबे इल्म ने कहा कि यहाँ (यूपी) आने के बाद पता चला कि अब तक हमारे असातज़ा ने हम को पर्दे में रखा हुआ था, मगर आज उस की हक़ीक़त साम्ने आगई, मज़ीद एक ने कहा कि अब एहसास हो रहा है कि नेपाल में हमारे असातिज़ा तल्बा की जिन्दगी को बरबाद कर रहे हैं, वग़ैरा । हम अपने उलमा से हूसने ज़न की बुनियाद पर यह कह सकते हैं कि शायद इन तलबा ने अपनी कोताही छुपाने के लिए ऐसि बातें कही हैं। अल्बत्ता इन तमाम के बावजूद इस से नज़र अन्दाज़ नहीं किया जा सकता कि वाक़ई मदारिसे इस्लामिया का निजामे तालीम इसलाह व तर्मीम का तक़ाज़ा कर रहा है, वह तक़ाज़े क्या हैं ज़ैल में पेश करने की कोशिश करता हुँ।

(१) बासलाहीयत और लाएक़ असातज़ा की तक़र्रुरी:

निज़ामे तालीम की बेहतरी का सब से अहम ज़रिया बासलाहीयत और लाएक़ असातेज़ा की फराहमी है, तालीम के लिए ऐसे असातिज़ा की तक़र्रुरी बहुत ज़रूरी है जिन में इलमी और तदरीसी क़ाबिलियत और सलाहीयत, इफ्हाम व तफहीम के जौहर हों । साथ में यह भी ज़रूरी है कि उन के अखलाक़ अच्छे हों । मसलन इख्लास व लिल्लाहीयत, तक़वा व तहारत जैसे औसाफे जमीला व हमीदा के जामें हों। इस से जहाँ तलबा के अन्दर इलमी सलाहीयत परवान चढेगी , वहीं वह उन औसाफ के पैकर भी बनेंगे। इस लिए कि जिस तरह वालिदैन अपने बच्चों के लिये घर में नमुना-ए-अमल होते हैं इसी तरह असातेज़ा मदर्से में अपने तलबा के लिए आइडल और रोल माडल होते हैं। बाज़ औक़ात असातेज़ा के आदात और अतवार भी ग़ैर शोउरी तौर पर तलबा के अंदर मुन्तक़िल होते हैं । अब अगर असातेज़ा अच्छे किरदार व अख़लाक़ के हामिल होंगे, तो यक़ीनन तलबा के अन्दर भी अच्छी सीरत मुंतक़िल होगी वर्ना मुआमला बर अक्स होने पर नतिजा भी बर अक्स आ सकता है।

मगर आज असातेज़ा का तक़र्रुरी का मेआर ही बदलचुका है । जो शख्स अपनी तक़र्रुरी के लिए ज़्यादा से ज़्यादा रिशवत दे या कमीटी और सदर मुदररिसिन के हाँ में हाँ मिलाए और ताबेअ रहे या इन्तिज़ामिया की हर अच्छी या बुरी बात की ताईद करे या सदर मुदर्रेसीन से ज़्यादा काबिल ना हो ख्वाह उस के अख़्लाक़ व किरदार और सलाहीयत व सालिहीय्यत कैसी ही हों । अगर मज़्कूरा बाला औसाफ किसी के अन्दर हों तो वह क़ाबिले तक़र्रुरी समझा जाता है वरना नहीं, ऐसी सूरत में मदारिस से अच्छे और बासलाहीयत तलबा की उम्मीद करना इमली के दरख्त से आम की उम्मीद करने जैसा है, बल्कि बाज़ मदारिस के असातेज़ा की सूक़ीयाना अन्दाज़े तख़ातुब, जाहीलान सुलूक, गाली गलोज सुन और देख, इन्तिहाइ अफ्सोस होता है, इसी का नतिजा है कि तलबा बाज़ मदारिस में जाना पसन्द नहीं करते, और न वहाँ तलबा की इस्लाह हो पाती है, और जो तादाद पह्ले से होती है उस में भी कमी वाक़े होने लगती है, और ज़ाहिर सी बात है कि जो ख़ुद इस्लाह का मोह्ताज हो वह दूसरों की इस्लाह कैसे कर सकेगा ??

तारीक़-ए-तदरीस: बेहतर तालीम के लिए तारीक़-ए-तदरीस पर भी ग़ौर करना निहायत ज़रूरी है, कि कौन सी किताब कैसे पढाई जाए? तारीक़-ए-तदरीस के हवाले से राक़िम दो बातें पेश करने की जसारत करता है :

अक़्दाम फौरन किसी एक शक्स या मुतअद्दिद अश्ख़ास के सुपुर्द करना होगा। (रह नुमाए इल्म व अदब, पेज:२३)

मगर राक़िम का हक़ीर मश्वरा यह है कि अब अज़्सरे नौ चन्द दिमाग़ों को अपनी इनफ़िरादी या इज्तेमाइ इनर्जी सर्फ करने का कोई फाइदा नहीं, तंज़िमूल मदारिस के तहत तैयार करदा जदीद निसाब जो अल जामिअतुल अशरफिया समेत मुख़्तलिफ इदारों में राएज है, इसी निसाब को अपने अपने मदर्सों में राएज किया जाए। इस का सब से बड़ा फाइदा तो यह होगा कि कसीर दिमाग़ों को अपनी इंफिरादी या इजतिमाइ एनेरजी सर्फ करने और कसीर माली अख़राजात के दर पेश मसले से निजात मिलेगी। हाँ ! मुख़्तलिफ़ मक़ामात के लेहाज़ से इस निसाब में जुज़वी तरमीम की जासकती है जैसे नेपाली अदारिस में इस निसाब को नाफ़िज़ किया जाये तो तारीख़ में "तारीख़े हिन्द" की बजाए "तारीख़े नेपाल" पर मुश्तमिल किताब शामिल की जाए। इसी तरह सियासत की जो किताबें शामिले निसाब हैं इसी तर्ज़ पर नेपाल की मबादीये सियासीयात पर मुश्तमिल किताबें मुरत्तब करके दाख़िल की जाएँ वग़ैरा। और सब से अहम गुज़ारिश यह है कि हर मुल्क वाले अपने मुल्क की हुकूमती और क़ौमी ज़बान ज़रूर लाज़िम क़रार दें।

मज़कूरा निसाब की कुछ ख़ुसुसियात:

इस तंज़ीमुल मदारिस के तहत तैयार करदा जदीद निसाब में कोशिश की गई है कि तर्जमा या तफसीर के ज़रीए पुरे कुराने करीम का इज्माली या क़दरे तफसीली दर्स व मुताला हो जाए। यह मिश्कातुल मसाबीह , सिहा-ए-सित्ता और उन के इलावा मुतअद्दिद कुतुबे अहादीस के बहुत जामे और नफीस इंतखाब पर मुश्तमिल है । इस निसाब में मिश्कात से किताबुर रिक़ाक़ और तसव्वुफ़ की कुछ किताबें बाज़ाबता दाख़िल हैं। नुरुल इज़ाह से तहारत और इबादात और क़ुदूरी से बाक़ी फिक्ही अबवाब को शामिल किया गया है, कसीर जुज़इय्यात से आगाही के लिए हीदाया के साथ बहारे शरीयत का मुताला लाज़िम किया गया है, उसूले फिक्ह की कामिल अब्हास की मालूमात के लिए पूरी उसूलुश शाशि दाख़िले दरस है, जदीद फिक्ही मसाइल और नए अफ्कार और मसाएल से आशनाई के लिए "कजाया फिक्हिया मआसेरा" और "अफ़्कारे ज़ाएगा मआसेरा" ज़ेरे तरतीब हैं, तदवीन व तारीख़े क़ुरान, हदीस, तफ़्सीर, उसूले तफ़्सीर, उसूले हदीस, फिक्ह और तारीख़े मज़ाहिब व मेलल को हस्बे गुन्जाइश जगह दि गई है, अरबी और अंग्रेज़ी दोनों के अदब व इन्शा को तमाम जमाअतों में लाज़िम किया गया है। और नह्व व सर्फ और मन्तिक़ की इब्तिदाइ किताबें उर्दु में शामिल की गइ हैं ताकी मुब्तदी तलबा के ज़ेहन पर फन के साथ एक दूसरी ज़बान का कोइ बार न रहे और अस्ल मक़सूद कम से कम वक़्त में वह बा आसानी हासिल कर सकें। इस के इलावा मज़ीद खुसुसियात हैं जिन्हें निसाब देख्ने के बाद सम्झा जा सकता है।

जदीद इल्मे कलाम और साइन्स की किताबें इस निसाब में भी नहीं हैं तो इस के लिए यह सूरत मुम्किन है कि चन्द मुन्तखब इदारों के असातज़ा को युनिभर्सिटी में बुलाया जाए और ६ माह या उस से ज़ाएद का तर्बियती कोर्स कराया जाए। जिस में इस अन्दाज़ से साइन्स की तालीम दि जाए के मुख़्तसर से वक़्त में आसानी के साथ असातज़ा इस इल्म पर क़ाबू पा सकें और सानवी दरजात के तलबा की इस सिल्सिले में रहनुमाइ कर सकें, या बर वक़्त इस का इन्तेज़ाम किसी युनिभर्सिटी के ज़िम्मे कर दिया जाए, कि वह अपने असातेज़ा भेजें या जिन इदारों में साइन्सी उलूम का निफाज़ मुम्किन हो, उस के अतराफ के मुस्लिम कालेजेज़ के असातेज़ा की खिदमात हासिल की जायें। अगर वह यौमिया इसकी ज़िम्मेदारी क़बूल न कर सकें तो हफ्ता में ३ या ४ दिन वह अपनी खिदमात पेश करें, इस सूरत में हम सबका ख्वाब शर्मिन्दा-ए-ताबीर हो सकेगा। (ख़ुलासा दीनी मदारिस और असरे हाज़िर के तक़ाज़े, पेज: १५२,153)

आइए ! अब मैं आप हज़रात से मदारिस के निज़ामे ताअलीम के बारे में कुछ गुफ्तगु करना चाहता

ज़रूरत है ताकि अमल की दुनिया भी हम से आबाद रहे और इस के लिए हमें अख़्लाक़ व तसौउफ के उन्वान को दाख़िले निसाब करना होगा।

मुताला-ए-अदयान व फ़िरक़: चुंके निसाबे मदारिस का एक मक़सद "इस्लामी माख़ज़, इस्लामी तारिख़, सिरते रसूले अकरम सलल्लाहु अलैही वसल्लम, शेआरे इस्लाम और अहले सुन्नत के अक़ाइद व मआमुलात पर ग़ैरों की जानिब से होने वाले हम्लों का जवाब देने की क़ूवत पैदा हो" भी है। इस लिए यह जानना भी ज़रूरी है कि वह ग़ैर मज़ाहिब व अदियान कौन हैं जो बराहे रास्त इस्लाम से बर्सरे पैकार हैं, उन्के अक़ाइद व नज़रियात और मरासिम व मामुलात क्या है ? और उन्की जानिब से इस्लाम पर किए जाने वाले एतेराज़ात क्या है ? इस्के साथ ही बनामे मुसलमान जो फिर्क़े मौजूद हैं, उन्के मख़्सूस बुन्यादी नज़रियात क्या हैं जिनकी बुनियाद पर फिर्क़े के तौर पर वह अपना मुस्तक़िल वजुद रख्ते हैं ? ज़ाहिर सी बात है कि इस मक़सद के हुसुल के लिए एक मौज़ु बनाम "मुताला-ए-अदयान व फिरक़" का इज़ाफा किया जाना चाहिए और मेरे ख़याल में फी ज़माना इसकी अशद ज़रूरत भी है। इसकी वजह यह है कि जब से कुतुब बीनी और ज़ाती मुताला का ज़ौक़ कम हुआ है तब से ख़ुसूसन तल्बा अपनी निसाबी कुतुब में भी सही तवज्जोह नहीं दे पाते तो उन से क्या उम्मीद किया जाए कि वह ऐसे मज़ामीन की तरफ तवज्जोह करेंगे।

इसका अन्दाजा इस बात से किया जा सकता है कि एक दफा "मुसाबक़ा हीफ़्ज़े हदीस" में शिरकत क मौक़ा मिला जिस में हिफ़्ज़े हदीस के साथ हदीस के मुख़्तलिफ ज़ाविये पर भी गुफ्तगु होनि थी। मुम्तहीन सहाब ने रफा यदैन की हदीस सुनने के बाद जब फरमाया कि रफा यादैन के बारे में गुम्राह फिरकों का इख्तलाफ बयान किजिए तो ख़ामिसा और सादिसा तक के तल्बा यह कहते सुने गये कि देउबन्दी वाहाबी उसे ज़रूरी क़रार देते हैं (इसी जैसे अल्फाज़ थे) बताना यह है कि शायद येसा जवाब देने वाले तल्बा के ज़ेहन में यह बात रही होजीगी कि देउबन्दी और वाहाबी दोनों एक ही जमाअत और गिरोह हैं हालांकि ज़ाहिर है कि हक़ीक़त इस के बरअकस है।

इब्तेदाई दर्जों की किताबें आसान और मादरी ज़बान में शामिल की जाएँ : इस अमर पर ख़ुसूसी तवज्जोह देने की ज़रूरत है कि इब्तेदाई दर्जों में जो किताबें शामिले निसाब की जाएँ वह मक़ामी और मादरी ज़बान में हों ताकि तल्बा इब्तेदाई उसुल व क़वानीन अह्सन अन्दाज़ में समझ सकें और उनकी बुनियादें मज़बूत हों। जैसे "दरसे निज़ामी की कुतुब मुतवस्सितात को पढ़ने और समझने के लिए अरबी ज़बान निहायत ज़रूरी है और हमारे निसाब में अरबी नहव व सर्फ और अदब के लिए जो बुनियादी किताबें दाख़िले निसाब हैं वह फारसी ज़बान में हैं। यहाँ तीन चीज़ें हैं, अव्वल अरबी सीखना है, सानी पढ़ाई जाने वाली किताबें फारसी में हैं और सालिस पढ़ना उर्दू में है। गोया एक अजनबी ज़बान सीखने के लिए दूसरी अज्नबी ज़बान का सहारा लिया गया। यह तो ऐसेही हुआ जैसे किसी अरबी शख़्स को उर्दु ज़बान सिखाने के लिए चीनी ज़बान में लिखी किताबें पढ़ाई जाए। ऐसी सूरत में क्या नतिजा बरामद होगा अह्ले इल्म बख़ुबी समझ सकते हैं।

मज़कूरा उमूर के इलावा तज्विद व क़ीरात, अरबी मुहादसा, अङ्ग्रेज़ी मुहादसा, कम्प्युटर टेक्नालोजी और मज़मून निगारी वग़ैरा के इज़ाफे के बारे में भी कुछ लिखा जा सकता है मगर राक़िम उन्हे क़लम अन्दाज़ कर रहा है क्यूंकी तक़रीबन बेश्तर मदारिस में (अगर्चे बराए नाम ही मगर) इन उमुर का इल्तेज़ाम किया जा रहा है।

हल व इलाज: अल्लामा मुहमद अहमद मिस्बाही साहब लिख्ते हैं:"तदवीने निसाब के सिल्सिला में कसीर अख़्राजात का मसला दरपेश होगा जो चन्द बाहौस्ला और हम मिज़ाज मदारिस के इशतेराके अमल से हल हो सकता है। पेश क़दमी और नुमाइनदगी और निगरानी के लिए किसी एक इदारे का इन्तेख़ाब किया जा सकता है उस के बाद अमली

के पोरों के निशान। यह हर शख़्स का पर्सनल कोर्ड होता है और एक ख़ातुन का जिस्म एक कम्प्युटर की तरह है जिस में अगर दूसरा कोर्ड फौरी तौर पर दाख़िल हो जाए तो वाइरस फैल जाता है जो मुख़्तलिफ मुतअद्दी बीमारियों का पेशे ख़ेमा साबित होता है।

साइन्स यह भी कहती है कि पहले हैज़ के अय्याम में तलाक़ शुदा ख़ातून अपने जिस्म से 32% से ३५% दूसरे पीरियड में ६७% ता ७२% और तीसरे माह में ९९% मर्द का **Imprint Water** अपने बच्चे दानी से ख़ारिज करती है। इस के बाद अगर नया **Imprint Water** उसके बदन में दाख़िल हो तो नस्ल बग़ैर किसी हरज़ के रवां दावां होगी। फाहेशा औरतें इसी लिये मोआशरे का नासूर बनने में फअआल किरदार अदा करती हैं, कि उन के पास यह एहतियात नहीं होती है।

बेवा के लिए यह मुद्दत इस लिये बढ़ाई गई कि उसका साबिक़ा दुख और ज़ेहनी तनाव ज़्यादा होता है, इस सूरते हाल के पेशे नज़र उसकी कोख से **Imprint Water** का ख़ुरूज वक़्त लेता है। इस लिए इस्लाम उसे चार माह दस दिन गुज़ारने का हुक्म देता है।

माहीरे जीनियात ने अमरीका में मुक़ीम अफरिकन मुस्लिम ख़वातीन पर तजरबा किया था और इस नतीजे पर पहुंचा के ग़ैर मुस्लिम ख़वातीन चुंके इद्दत के अय्याम नहीं गुज़ारतीं इस लिए उनकी कोख में एक से ज़ाइद **Imprint Water** मिल जाते हैं। इसी तजरबे के बिना पर उन्हों ने यह नतीजा अख़ज़ किया के सिर्फ वह मुस्लिम ख़वातीन जो अल्लाह के हुक्म के आगे सारे तसलीम ख़म कर देती हैं उनही की कोख नस्ले इन्सानी के लिए बा बरकत साबित होती है। और नस्ब ख़लत मलत होने से महफ़ूज़ रहता है"। (रोज़नामा इंक़ेलाब उर्दू, वाराणसी २२ सेप्टेम्बर २०१६)

अगर यह तहक़ीक़ व बयान दुरुस्त है तो हम इसके ज़रीए मुख़ातब को इद्दत के इख़्तिलाफ़ की वजह साइन्सी तौर पर बख़ूबी समझा सकते हैं और अगर यह ख़ेलाफ़े वाक़े है तो फिर हमें इसकी तरफ तवज्जोह देने और उसकी तह तक पहुँचने की कोशिश करनी चाहीये ताकि मज़हब से बेज़ार लोगों को भी हम इसकी हीक्मत समझा सकें।

इसके बाद एक शुब्हे का जवाब देते हुए रक़म तराज़ हैं: यह हक़ीक़त अपनी जगह मुसल्लम है कि अहकामे इस्लाम साइन्सी तौजिहात के मुहताज नहीं हैं, लेकिन मौजुदा हालात में जबकि मुसलमान ख़ुसूसन नौजवान अहकामे इस्लाम के असरार व रुमूज़ समझना चाहते हैं, तो इस सुरत में अगर साइन्सी तौजीहात व तशरीहात के ज़रीए इन अहकाम की अहमियत व अफादियत पर रौशनी डाली जाए, तो हमारे ख़याल में मुस्लिम नौजवानों के साथ दुसरे मज़हब के मानने वाले भी इस्लाम की तरफ रागिब होंगे। (सेह माही सुन्नी पैग़ाम, शुमारा ३ पेज: ३८)

तारिख व सिरत: मदारिसे इस्लामीया के तल्बा और फारेगीन के लिए यह बात किसी अल्मिया से कम नहीं के हम इस्लामी इस्कालर और नाईबीने मुस्तफा सल्लल्लाहु अलैही वसल्लम कहे जाते हैं मगर हमें न सही इस्लामी तारीख़ का इल्म होता है और ना सिरत व किरदारे मुस्तफा सल्लल्लाहु अलैही वसल्लम से आगाही। इस का सबब ज़ाती ज़ौक़े मुतालआ का रु बज़वाल होना है, इस लिए तारिख़ और सिरत को भी हमारे निसाब का जुज़ होना चाहिए ताकि ख़वाही नख्वाही हमारे तल्बा इन मज़ामीन को पढ़ें और किसी हद तक उन्हें इनकी मालुमात रहे।

अख़्लाक़ व तसौउफ: मदारिसे इस्लामीया का एक दौर ऐसा भी था कि जब मदारिस की फ़ज़ा और यहाँ का माहौल बाज़ाते ख़ुद तल्बा के अख़्लाक़ और किर्दार की अमली तर्बियत करता था, लेकिन मौजुदा मादियत ज़दा वक़्त और दुनिया के रंगीन माहौल ने जहाँ हर तरफ अख़्लाक़ व किर्दार की पस्ती की राहें हमवार की वहीं मदारिस के माहौल को भी मुतअस्सिर किया, हम अहले सुन्नत व जमाअत के मदारिस का हाल किसी से ढका छुपा नहीं, यहाँ तक सुना गया कि सुन्नी मदारिस में इल्म तो है मगर अमल नहीं। हमें इस जानिब ख़ुसूसि तवज्जोह देने की

इस्लामी इस्कलर प्रोफेसर गुलाम यहिया अन्जुम मिस्बाही की ज़बानी सुनिए : "मेरा नुक़ता-ए-नज़र ये है कि पुरे निसाबे दर्स पर साइन्स का हावी रहना ज़रूरी नहीं अलबत्ता सानवी दरजात के तलबा के लिए साइन्स लाज़मी मज़मून की हैसियत से उसी तरह पढ़ाई जाए जिस तरह दर्स निज़ामी के दीगर मज़ामीन पढ़ाए जाते हैं तो ये तबदीली तलबा को साइन्स की रौशनी में अपने माफ़िज़ ज़मीर के इज़हार में मोआविन साबित होगा और वह अरदीयात व फल्कियात से मुतअलिक़ आयाते क़ुरानकी इफ्हाम व तफ़हीम के मसाइल से भी पूरी तरह ओहदा बरआ हो सकेंगे । (दीनी मदारिस और असरे हाज़िर के तकाज़े : पेज : ३५१)

इल्मे फ़िक़्ह: इल्मे फ़िक़्ह का नाम सुनकर उम्मीद है कि क़ारईन को मुझ कम अक़्ल पर हंसी आरही होगीकी यहाँ इल्मे फ़िक़्ह का ज़िक्र क्यूँ किया गया जबकि आफ्ताब निम रोज़ से भी ज़ायादा वाज़ेह है कि मदारिसे इसलामिया में फिक़्ह की तालीम ख़ुसूसी तौर से दीजाति है बल्कि अब तो इख्तेसास फिल फिक़्ह के शोअबे भी क़ायम किए जारहे हैं लेकिन राक़िम इल्मे फ़िक़्ह के हवाले से दो बातें अर्ज़ करना चाहता है।

अव्वल ये कि दर्स निज़ामी में शामिल कुतुबे फ़िक़्ह पर नज़र की जाए तो आप भी इस बात को तस्लीम किए बग़ैर नहीं रह सकतेकी बेशतर मदारिस में हमारी फ़िक़्ह तहारतसे शुरू होकर नमाज़ की अदाईगी पर खतम होजाती है और कहीं हम उससे आगे बढ़ते हैं तो निकाह करते हैं और बाज़ार से कुछ खरीद व फ़रोख़्त के बाद घर वापसी कर लेते हैं, यानी किताबुन निकाह और किताबुल बुयुअ हमारी सरहद है जबकि फ़िक़्ह का निसाब इस तौर पर मुरत्तब किया जाना चाहीएकी कम-अज़-कम एक मरतबा तमाम अब्वाब हमारी निगाहों से गुज़र जायें अगरचे मतन की ही शक्ल में।

सानी येकी हालाते हाज़रह और मौजुदा माहौल की वजह से इस अमर की भी शादीद ज़रूरत का एहसास होता है कि फ़िक़्ह में ऐसी किताबें मुरत्तब की जायें जिनमें इस्लामी अहकाम अपने माखज़ के साथ साथ आम फहम हीक्मतों और साइन्सी दलाइल के ज़रीए साबित किए जाए वरना खुद एक मुसलमान इस्लामी अहकाम से मुतमइन नहीं हो सकता और उसके ख़िलाफ सदाए एहतेजाज बुलन्द करने लग्ता है चेजाएकि ग़ैर मुस्लिमों को हम मुतमइन कर सकें जैसाकि तलाक़े सलासा का मामला देखा जा सकता है। आम फहम और हीक्मतों और साइन्सी दलाइल के ज़रिये किसी इस्लामी हुक्म के इस्बात की एक झलक देखिए, चुनान्चे मश्हूर मसला है कि मुतल्लक़ा औरत की इद्दत तीन हैज़ जब कि उस औरत की इद्दत जिसके शौहर का इन्तेक़ाल होगया, चार माह दस दिन है, इस में मुज़्मर हिकमत के बारे में मौलाना साजिद अली मिस्बाही साहब सेह माही सुन्नी पैग़ाम में शाए अपने एक तहक़ीक़ी मज़मून में लिख्ते हैं: "ये दोनो जवाब सुन्ते ही तहक़ीक़ी मिज़ाज रख्ने वाले के दिल में एक सवाल पैदा होता है कि आखिर इस्लाम में दोनों औरतों की इद्दत के दरमियान फ़र्क़ क्यूँ है ?

अब अगर जदीद दौर के एतेबार से इस की हिक्मत बयान कीजाती है तो साइल के दिल में इस्लाम की अज़मत और रिफअत मज़ीद बढ़ जाती है और वह अहकामे इस्लाम से दुर होने के बजाए क़रीब तर होता नज़र आता है.... "माहिरे जीनियात **Embryologists** ने ये इन्केशाफ किया है कि मुस्लिम खातुन दुनिया की सबसे पाक दामन ख़ातुन है। उन्होने मज़ीद ये भी बताया कि एक तलाक़ शुदा मुस्लिम ख़ातुन को इस्लामी शरीअत के मुताबिक़ तीन माह, और वह औरत जिसका शौहर इन्तेक़ाल कर गया हो, उसे चार माह दस दिन तक दूसरे किसी शख़्स से राब्ता नहीं करना चाहीए। इस मुद्दत को इद्दत कह्ते हैं।

जदीद साइन्स् ने यह वाज़ेह किया है कि मर्द का **Imprint Water** जिस्में ६२% प्रोटिन होता है, वह हर शख्स में इस तरह मुख़्तलिफ हो जाता है जैसे उङ्लियों

जहाँ तक बात है तो सबसे पहेले हम ये अर्ज़ करते हैं की अक़ाइद ही असलुल उसुल हैं मगर बड़ा अफसोस आता है जब हम दरसे निज़ामी के निसाब पर नज़र करते हैं तो सिर्फ एक किताब "शरह अक़ाइद" के नाम से नज़र आती है जबकी होना तो ये चाहीएकी अक़ाइद के मज़मून के लिए मज़ीद किताबें दाख़िले निसाब हों।

शरह अक़ाइद पढ्ने वालों पर ये बात मख़्फ़ी ना होगीकी क़दीम ज़माने में जब फलसफे के ज़रिये जब इस्लाम पर हम्ले किए जाने लगे तो उसको जवाब देनेके लिए हमारे अस्लाफ किराम ने ऐसि किताबें तस्नीफ फरमायें जो अक़ाइद पर मुश्तमिल होती और उसमें फलासफा के बातिल नज़रीयात का ख़ुब रद भी होता। आज उस फलसफेका नाम व निशान भी उसकि जनमभुमी में बाक़ी नहीं, बल्कि आज जदीद फलसफे यानी "साइन्स" का दौर है और हर शख़्स साइन्स की ज़बान में ही कुछ समझना और बोलना चाहता है और उससे हट कर जो आवाज़ आती है उसे सदाए बाज़ गश्त की भी हैसियत नहीं देता इसलिए ज़रूरत इस बात की है कि ऐसी किताबें मुरत्तब करके हम अपने निसाब में शामिल करें जिनमें साइन्सि दलाइलके ज़रीए हम अपने अक़ाइद को साबित करें और साइन्सके जिन उसुल व क़वानीन के ज़रीए इस्लामके बुनियादी अक़ाइद पर हम्ले किए जाते हैं उनका रद व इब्ताल किया जाए जिसे हम जदीद इल्मे कलाम कह सकते हैं इसको दर्ज ज़ैल मिसाल से समझिए :

साइन्स से तअल्लुक़ रखने वाली कई शख़्सियात ऐसी हैं जो ख़ुदा के वजुद की मुन्किर हैं, मौजुदा दौर के एक अज़ीम साइन्स दान इस्टेफेन हकिंग का भी यही हाल था। ये हज़रात उमूमन यह दलील देते हैंकी अगर ख़ुदा मौजुद है तो उसे किसने पैदा किया ? गोया उनके नज़दीक ऐसि चीज़ का वजुद नहीं तस्लीम किया जा सकता जिसका कोई पैदा करने वाला ना हो। ऐसे वक़्त में अगर किसी साइन्सी उसुलके ज़रीए ख़ुदा के वजुद पर दलील लाई जाए तो यक़ीनन उन्हें ख़ुदा का वजुद तस्लीम करना पड़ेगा। साइन्स के थर्मोडाइनामिक्स (Thermodynamics) के उसुल के ज़रीए हम उनके इस मफ़रूज़े का बख़ूबी जवाब दे सकते है जैसाकि थर्मोडाइनामिक्स (Thermodynamics) का सबसे पहला क़ानून है:

यानी थर्मोडाइनामिक्स का पहला क़ानुन ये बताता है कि गर्मी तवानाई की एक शक्ल है और ये अमल तवानाई के तहफ्फ़ुज़ के उसुलके ताबे हैं इसका मत्लब ये है कि गर्मी की तवानाई ना पैदाकी जा सकती है और ना ही तबाहकी जा सकती है ताहम ये एक मक़ाम से दूसरे मक़ाम में मुन्तक़िल हो जाएगी और दूसरी शक्लों में तो तवानाई से तब्दिल हो जाएगी।

इस क़ानून के मुताबिक़ तवानाई को ना तो पैदा किया जा सकता है ना ही तबाह। अब जबकि साइन्सी नज़रिये के मुताबिक़ तवानाई का ना पैदाइश है न फना, इसके बावजुद साइन्स की दुनिया इसका वजुद तस्लिम करती है तो फिर मज़्हब के मानने वालों के लिए ये अनोखा क़ानून क्यूँ ?की वह ऐसे ख़ुदा का वजुद तस्लीम ना करें जिसे किसीने पैदा ना किया।

इस तरह मज़हब के वजुद को किसी भी मशिनरी के **Technical Order** और **Technical Manual** के ज़रीए वजुदे काइनात के बारेमें इस्लामी नज़रीये "कुन फयकून" को **Big Bang** के ज़रीए और वाक़िया-ए-मेराज **Theory of Relativity** के ज़रीए साबित किया जा सकता है।

साइन्स: जब हम अपने निसाब में जदीद इल्मे कलाम को शामिल करेंगे तो लामोहाला हमें साइन्स को भी दाख़िल करना पड़ेगा। हम ये नहीं कहतेकी पुरा इल्मे साइन्स दाख़िले निसाब किया जाए बल्कि इसी क़दर दाख़िल किया जाए जिस क़दर जदीद इलमे कलाम की तफ़हीम में मूआविन साबित हो, जैसाकी हम एक ज़माने से फलसफा को दरसे निज़ामी में "हीदायतुल हीक्मत" और "शरह हीदायतुल हीक्मत" किताबों के ज़रिये पढ्ते पढाते आए हैं। मेरी इस बात को मौजुदा दौर के एक अज़ीम

इस्लाहे मदारिस

मुहम्मद इज़हारुन नबी हुसैनी

मदारिस के निसाब व निज़ाम में इस्लाहात

"मदारिस के निसाब व निज़ाम में इस्लाहात" जैसा कि उन्वान से ही ज़ाहीर है कि उसके दो जुज़ हैं मदारिस का निसाबे तालीम और मदारिस का निज़ामे तालीम इस उन्वान में इस क़दर तनव्वअ है कि एक मक़ाले में सबको जमा कर सक्ना मुश्किल है। इसलिए इस हवाले से जो अहम बातें हैं और उमूमन बयान नहीकी जातीं, हम सिर्फ उन्हिको बयान करने की कोशिश करेंगे।

मेरे ख़याल से किसी भी चीज़ की मौजुदा सुरत क़ाबिले इस्लाह है या नहीं, फिर अगर है तो किस क़दर इस्लाह की गुन्जाइस है? ये जानने के लिए उसके नसबुल ऐन और मक़्सदको जानना ज़रुरी है और जाने बग़ैर किसी भी तरह की राए ज़नी और ख़ैर ख्वाहाना मश्वरा बेसुद और गैर मुफीद होगा। इसलिए सबसे पहेले निसाबे मदारिस का नसबुलऐन और मक़सद मुलाहीज़ा फरमाएं।

निसाबे मदारिस का मक़सद: मदारिस के निसाबे तालीम का मक़सद दीन के ऐसे सच्चे दाई, मख़िज़े इस्लाम मसलन क़ुरान व सुन्नतके आलिम व फ़क़ीह, तालीमते इस्लाम के मुब्लिग़ व मुअल्लिम और मिल्लते इस्लामीया के मुख़लिस रहबर व रहनुमा की टिम तैयार करना है जो उर्फ व आदात की नज़ाकत समझने वाले और वक़्त व हालात के मिज़ाज शनास हो गर्दीशे अय्याम के भन्वर में उम्मत की डूबती कश्ती को साहील तक पहुंचाने के लिए उम्दा लाइहा-ए-अमल तयार करें और मज़्हब व मिल्लते इस्लामीया की हीफाज़त व सियानत का दीनी व अख़्लक़ी फरीज़ा अन्जाम दें।

अपने वक़्त के एक अज़ीम माहीरे तालीम अल्लामा मोहम्मद अहमद मिस्बाही साहब लिख्ते हैं: "इस निसाब (दीनी तालिमी निसाब जो मदारिसे दीनीया आलिया में उलमा-ए-दीन की तख़रीज के लिए मुक़र्रर है) का बुनियादी और अहम मक़सद ये है कि क़ुरान व हदीस को समझने और उनसे बराहे रास्त इस्तिफादा की सलाहीयत पैदा हो, इस्लामी अक़ाईद व अहकाम का इरफान उनके दलाइलके साथ हो, इस्लामी मआख़ज़, इस्लामी तारिख़, सिरते रसुले अकरम सलल्लाहु अलैहीवसलम, शआरे इस्लाम व अहले सुन्नत के अक़ाईद व मामुलात पर ग़ैरों की जानिब से होने वाले हम्लों का जवाब देने की क़ुव्वत पैदा हो और मुख़्तलिफ़ महाज़ों पर उम्मते मुस्लिमा की हकीमाना व मुख़्लिसाना रहनुमाई और रहबरी की लियाक़त बहम हो"। (रहनुमा-ए-इल्म व अमल: पेज ३०)

इस ग़रज़ व ग़ायत को पेशे नज़र रखा जाए और ग़ौर किया जाएकी इसके हुसुल के लिए अगर हमारा निसाब काफी है तो तब्दिली की हाजत व ज़रुरत नहीं, लेकिन अगर मौजुदा निसाब से मज़्कुरा मक़सद हासिल ना हो तो ज़रूर तब्दिली लानी चाहीए। मेरी नाक़िस नज़र जब मौजुदा निसाब पर पड़ती है तो इस बातका एहसास होता है कि मौजुदा निसाब अपने नसबुल ऐनकी तक्मिल के लिए नाकाफी है और इसमे कुछ तरमिम ज़रूर करनी चाहीए जो दर्ज ज़ैल है।

जदीद इल्मे कलाम: इल्मे कलाम की

एक अज़ीम ख़ुश-ख़बरी

फ़रोग़े रज़वियात और उलमाए नेपाल

इमामे अहले सुन्नत, मुजद्दिदे दीन व मिल्लत, आला हज़रत इमाम अहमद रज़ा ख़ान मुहद्दिस बरेलवी के जश्ने सद साला के पुरबहार मौक़े पर सेह माही सुन्नी पैग़ाम, नेपाल की जानिब से फ़रोग़े रज़वियात और उलमाए नेपाल के उनवान से तहरीरी गुलदस्ता बारगाहे आला हज़रत में निछावर करने के लिए पेश-रफ़्त की जा रही है। जिसके अनावीन दर्ज ज़ेल हैं:

१ तआरुफ़ ख़ानवादा-ए-आला हज़रत

- ★ आला हज़रत की मुख़्तसर हालाते ज़िंदगी
- ★ उस्ताज़े ज़मन की मुख़्तसर हालाते ज़िंदगी
- ★ हुज्जतुल-इस्लाम की मुख़्तसर हालाते ज़िंदगी
- ★ मुफ़्ती-ए-आज़म हिंद की मुख़्तसर हालाते ज़िंदगी

३ फ़रोग़ रज़वियात मुख़्तलिफ़ ज़राइअ से

- ★ फ़रोग़ रज़वियात बज़रीया तसनीफ़ व तालीफ़
- ★ फ़रोग़े रज़वियात बज़रीया रद्द व मुनाज़रा
- ★ फ़रोग़ रज़वियात बज़रीया दरस व तदरीस
- ★ फ़रोग़े रज़वियात बज़रीया क़ियामे मदारिस, मसाजिद और तंज़ीमात
- ★ फ़रोग़े रज़वियात बज़रीया इजलास व कान्फ्रेंस
- ★ फ़रोग़े रज़वियात बज़रीया शेअर व शाइरी

५ मुतफ़र्रिक़ात

- ★ बरेली शरीफ़ से उलमाए नेपाल के रवाबित और ताल्लुक़ात
- ★ मसलके आला हज़रत की तौज़ीह व तशरीह

२ फ़रोग़े रज़वियात में ज़िलई तौर पर उलमाए अहले सुन्नत का किरदार

- ★ फ़रोग़े रज़वियात में उलमाए धनूशा का किरदार
- ★ फ़रोग़े रज़वयात में उलमाए महोतरी का किरदार
- ★ फ़रोग़े रज़वियात में उलमाए सरलाही का किरदार
- ★ फ़रोग़े रज़वियात में उलमाए सुरहा का किरदार

४ फ़रोग़े रज़वियात में अस्लाफ़ का किरदार

- ★ फ़रोग़े रज़वियात और ज़ाहिदे मिल्लत
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और हनीफ़े मिल्लत
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और पासबाने मिल्लत
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और मुहद्दिसे आज़म नेपाल
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और हज़रत साजिदे मिल्लत
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और हमीदे मिल्लत
- ★ फ़रोग़े रज़वियात और मुसन्निफ़े तज़किरा मशाइख़े क़ादरिया रज़विया

६ तहरीरी मुबाहिसा

- ★ मसलक आला हज़रत और रज़वियात के फ़रोग़ के लिए तदाबीर व लाइह-ए-अमल और इस राह की रुकावटें और उनका सद्दे बाब

मुल्के नेपाल में सवादे आज़म मस्लके आला हज़रत का बे-बाक तर्जुमान
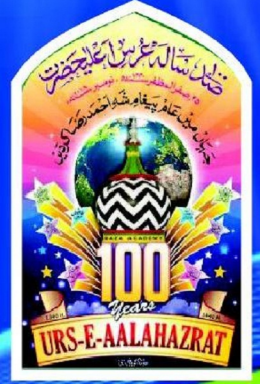
नेपाल

जुलाई, अगस्त, सितम्बर 2018

खुसूसी शुमारा

नेपाल मुसलिम मसाइल

मुहम्मद अताउन्नबी हुसैनी मिस्बाही